عليكم انفسكم لا يضركم من ضل اذا اهتديتم

طلوعِ اسلام

Mohammad Iqbal
Poet-Philosopher

بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

Pakistan

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی حیات اجتماعیہ کا ماہوار مجلہ!

طلوعِ اسلام

دہلی

دورِ جدید

مرتب
محمد عثمان

بدلِ اشتراک
پانچ روپیہ سالانہ — فی پرچہ ۸ر

جلد (۱) | شمارہ ۷ | رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۳۸ء

فہرست مضامین

۱	گوہرہائے نایاب	علامہ اقبالؒ کی غیر مطبوعہ رباعی	۳
۲	لمعات	مدیر	۴ - ۱۱
۳	پیامِ اقبالؒ اور قرآن کریم	چودہری غلام احمد صاحب پرویز بی اے	۱۲ - ۱۶
۴	مرکزیت		۱۷ - ۳۳
۵	حقائق و عبر	رازی	۳۴ - ۴۸
۶	ملت بے امام (نظم)	اسد صاحب ملتانی	۴۹
۷	مسلمانوں کا سیاسی مسلک	مولانا ابوالکلام آزاد	۵۰ - ۵۶
۸	قرآن اور قرآنی دلائل	ادارہ	۵۷ - ۶۴
۹	تفسیر اسرارِ خودی	خان محمد یوسف خاں صاحب سلیم چشتی	۶۵ - ۶۸
۱۰	علامہ اقبالؒ کے مسلک سے اختلاف؟	خواجہ عبدالحفیظ صاحب بی اے	۶۹ - ۸۰
۱۱	معارف القرآن	چودہری غلام احمد صاحب پرویز بی اے	۸۱ - ۹۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

مرکزِ ملت ← { لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ } → مرکزِ ملت

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

مرکزی فیصلوں کی اطاعت ہی ایمان ہے،

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا
اللہ کی رسی کو سب ملکر مضبوطی سے تھام لو اور اس سے علیحدہ مت ہو

اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ
بات مانو اللہ و رسول کی جب تمہیں بلائیں اس کی طرف جو تمہیں زندگی عطا کرتی ہو

یعنی

مرکز۔ مرکز کی اطاعت اور جماعت پیدا کرو

اس لیے کہ

جو جماعت سے علیحدہ ہوا وہ جہنم میں گیا — جماعت کے بغیر اسلام کچھ نہیں!

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنَّهُ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ — لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَةِ

(فرمان رسولؐ) — (قول حضرت عمرؓ)

(اقبال)

چیست ملت اے کہ گوئی لا الٰہ — با ہزاراں چشم بودن یک نگاہ

بگذر از بے مرکزی پائندہ شو

رازِ مستور

چوں رختِ خویش بر بستم ازیں خاک
همه گفتند با ما آشنا بود
ولیکن کس ندانست ایں مسافر
چه گفت و با که گفت و از کجا بود

(اقبالؔ)

گہر ہائے نایاب

حضرت علامہ اقبالؒ کی غیر مطبوعہ رباعی

مسلماناں کہ خود را فاش دیدند
بہ ہر دریا چوں گوہر آرمیدند
اگر از خود رمیدند اندریں دیر
بجانِ تو اکہ مرگِ خود خریدند

(اقبال)

لمعات

گزشتہ مہینہ کا اہم ترین واقعہ یورپ کی ایک چھوٹی سی ریاست چیکو سلاویکیا کا قضیہ ہے جسنے نہ صرف "مہذب جہالت" کے تغلب اور استبداد کی یاد تازہ کردی ہے بلکہ موجودہ دور تہذیب کی سیاسیات اور آئین جہانبانی کے اہم ترین گوشے بھی روشن کردیئے ہیں۔

غافل دُنیا اس قلیل عرصہ میں سوتی اور جاگتی رہی، ادھر غریب چیکو سلاویکیا کا کام ہی تمام ہو گیا واقعات تیار ہے تھے۔ کہ حشر برپا کرنے والی جنگ چھڑ گئی اور یورپ اپنے ہی ہاتھوں اپنی گردنیں کاٹکر رکھ دیگا مگر بھلا ہو "ثالث بالخیر" کا جسنے اپنے روائتی تدبر سے کام لے کر محض اپنے بچاؤ کے لیے مداخلت کی اور چیکو سلاویکیا کو جرمنی کے ہاتھوں ذبح کرادیا، حیرت ہے کہ دُنیا اس "ثالث بالخیر" کی تعریف میں رطب اللسان ہے وہ ثالث بالخیر جس کا مذہب، مکر و دغا کرنا، جس کا مشرب دوست بنکر گلا گھونٹنا اور جس کی عادت شریفہ مُسکراکر اور دل لبھا کر سینہ میں چھُری بھونکنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے!

زیکو سلاویکیا کا انقلاب اپنے پیچھے عبرت و موعظت کی اتنی داستانیں چھوڑ گیا ہے کہ ہندوستان کی اکثریت اور اقلیت، ہندو اور مُسلمان، کانگریس اور مُسلم لیگ اور ہر قوم و جماعت کو اُسکے آئنہ میں اپنے خدوخال پُورے طور پر نظر آنے لگے ہیں، قائدِ ملت مسٹر جناح نے لیگ کانفرنس منعقدہ کراچی میں تقریر کرتے ہوئے بجا ارشاد فرمایا کہ:۔

> "چیکو سلاویکیا کے سوڈیٹن جرمنوں کے واقعہ سے برطانیہ اور کانگرس ہائی کمانڈ (قیادت اعلیٰ) کو سبق حاصل کرنا چاہیئے جس طرح سوڈیٹن کے جرمن بے یار و مددگار ثابت نہ ہوئے اسی طرح ہندوستان کے مُسلمان بھی بے پناہ نہیں ہیں" (ہندوستان ٹائمز ۸ اکتوبر)

پنڈت جواہرلال نہرو جو یورپ میں بیٹھے ہوئے بہت قریب سے اس واقعہ کا مطالعہ فرما رہے تھے انہوں نے بھی یہی کہا کہ:۔

چیکوسلاویکیا کے اندوہگیں واقعہ میں ہندوستان اور اس جیسے دُور کے ممالک کے لیے ایک ایسا سبق ہے جسکو وہ کبھی نہ بھولیں گے؟ (ہندوستان ۹ راکتوبر ۳۸ء)

حتے کہ فرینڈس ہاؤس لندن میں تقریر کرتے ہوئے آنریبل مسز وجے لکشمی پنڈت وزیر صحت حکومت یوپی نے یہی فرمادیا کہ:۔

چیکوسلاویکیا کی قسمت کے فیصلے نے ہمارے اس ارادہ کو اور زیادہ پختہ کر دیا ہے کہ ہم اپنا مقصد حاصل کرلیں اور ایک ایسی حکومت سے جسکا نصب العین ہمارے نصب العین سے بالکل مختلف ہو پوری طرح پر قطع تعلق کرلیں"۔ (ہندوستان ۹ راکتوبر ۳۸ء)

ایک ایسا واقعہ جو سراپا عبرت و موعظت ہو اُسکو تفصیل کے بغیر چھوڑ دینا ناظرین کرام پر یقیناً ظلم ہوگا اس واقعہ میں جو چیز ہمارے لیے سبق آموز اور نمونہ عمل ہے، وہ مسز وجے لکشمی کے الفاظ میں یہ ہے کہ "ایک ایسی حکومت سے جسکا نصب العین ہمارے نصب العین سے بالکل مختلف ہو پوری طرح قطع تعلق کر لیا جائے"۔ واقعہ یہ ہے کہ اس علاقہ میں مُدتوں سے مختلف قومیں آباد ہیں۔ چیک سلاوا اور دیگر قومیں جو وطنی اقتسام کے باعث اپنے آپ کو ایکدوسرے سے علیحدہ سمجھتی نہیں، ان میں وطن کے سوا اور کوئی اختلاف نہ تہا۔ انکی تہذیب ایک ہے۔ تمدن ایک ہے مذہب ایک ہے۔ نظریات و افکار میں اختلاف کو بہت کم دخل ہے۔ گویا ان میں اختلاف سے زیادہ اتفاق و ائتلاف کے عناصر موجود تھے، اسی بنا پر انہوں نے جنگِ عظیم کے بعد یہ تجویز کیا کہ ہم سب ملکر ایک "متحدہ قومیت" کی لڑی میں منسلک ہو جائیں چنانچہ ایسا ہوا اور انکا مجموعہ "چیکوسلاویکیا" کے نام سے ظہور میں آیا لیکن بعد کے حالات نے بتلا دیا کہ "متحدہ قومیت" کی تشکیل کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور اقلیت اور اکثریت کے امتزاج سے جو قومیں ایک قوم میں تحلیل ہونیکی کوشش کرتی ہیں۔ انکو اسکا خمیازہ کس طرح بھگتنا پڑتا ہے

چیکوسلاویکیا کی قوموں کا تمدن اور تہذیب ایک ہے مذہب و مشرب (عیسائیت) ایک ہے، ان میں آپس میں بیاہ شادی کا بھی رواج ہے یہاں تک کہ چیکوسلاویکیا کے کابینہ میں سوڈیٹن جرمنوں کے وزیر

بھی شامل تھے ایکے باوجود وہاں نہ تو "متحدہ قومیت" کی تشکیل عمل میں آئی اور نہ جرمن قوم نے ان کے ماتحت رہنا قبول کیا ۔ جیکوسلاویکیا نے جرمن اقلیت کی دل داری کی اور انکو وہ تعلیمی سہولتیں بہم پہونچائیں جو خود اصلی باشندوں کو بھی حاصل نہ تھیں تاہم وہاں انقلاب ہوا اور سوڈیٹن جرمنوں نے آزاد ہو کر دم لیا یورپ نے یہ اصول تسلیم کر لیا ہے کہ جس علاقہ میں پچاس فیصدی سے زائد کسی خاص قوم کی آبادی ہو اس قوم کو اپنی حکومت قایم کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے ۔ اسی اصول کی بنا پر سوڈیٹن جرمنوں کو یہ حق دیا گیا ہے اور وہ اپنی مرضی سے جرمن کے ساتھ مل گئے ہیں ۔ اسی طرح اسی علاقہ کے پولش باشندے پولینڈ سے ملگئے ہیں اور سلاوا قوم اس کوشش میں ہے کہ اس اصول کے ماتحت آزاد ہو جائے اور اپنی حکومت قایم کرلے!

خدا کی شان! ہندوستان کا ہندو ہمیشہ مسلمانوں کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کرتا تھا کہ دیکھو یورپ میں اقلیتوں کو اکثریت کے ماتحت رہنا پڑتا ہے ، مگر سوڈیٹن جرمنوں کی علیحدگی نے ثابت کر دیا کہ جس قلعہ کو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا وہ بیت عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور نکلا! بیچارے ہندوؤں کا یہ قلعہ بھی پاش پاش ہوا اب اگر اسی اصول کی بنا پر مسلمان بھی یہ مطالبہ کریں کہ چونکہ شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد پچاس فیصدی سے زیادہ ہے اس لیے انہیں بھی یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنا وفاق (فیڈریشن) علیحدہ قایم کرلیں اور باقی قومیں اپنا الگ ، تو اس مطالبہ کو حق و انصاف کی رو سے کون ناجائز بتا سکتا ہے ؟ اگر اس حل کو متفقہ طور پر تسلیم کر لیا جائے اور پچاس فیصدی سے زیادہ آبادی کو یہ حق دیدیا جائے تو تمام بین المللی جھگڑے آن کی آن میں ختم ہو سکتے ہیں مسلم فیڈریشن الگ ہو اور باقی قوموں کا الگ اور پھر ان وفاقوں میں معاہدہ بھی ہو جائے تو اقلیتوں کے مسائل کا فورا بیڑا پار ہو سکتا ہے ۔ مسلمان اپنے صوبوں میں سیاسی نقطۂ نظر سے نہیں کیونکہ سیاست کو بدلتے دیر نہیں لگتی ، بلکہ مذہبی اعتبار سے اقلیتوں کے حقوق کے محافظ ہونگے ۔ انکا مذہب آزاد ہوگا ۔ انکے معابد آزاد ہونگے اور انکا رواں رواں آزاد ہوگا ۔ اگر مسلمان ایسا نہیں کرینگے تو وہ سب سے پہلے اپنے اعمال سے اسلام کو رسوا کرینگے ۔ کیونکہ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ انصاف و رواداری عدل گستری اور نصفت شعاری کا حکم دیا ہے اگر ہندوؤں کے صوبوں میں مسلم اقلیت کو تکلیف پہونچے تو آبادی کے مبادلہ کی شکل عمل میں آسکتی ہے ۔

خوشی کا مقام ہے کہ مسلم فیڈریشن کے قیام کی حمایت میں ایک آواز حیدرآباد دکن سے اٹھی ہے اور ڈاکٹر عبداللطیف صاحب نے اس نظریہ کی تائید کرتے ہوئے اسکو تمام اختلافات کا واحد حل قرار دیا ہے اسی طرح سندھ مسلم لیگ کے اجلاس میں بھی اسی قسم کی ایک تجویز منظور ہوئی ہے جس میں اتنا اضافہ اور ہے کہ مسلم فیڈریشن کو یہ حق بھی دیا جائے کہ وہ باہر کی اسلامی حکومتوں کو بھی اس میں شامل کر سکیں۔ ہمیں دیگر امور سے صرف نظر کر کے یہ دیکھنا چاہیئے کہ اسلامی فیڈریشن کے قیام کا مطالبہ کہاں تک صحیح ہے اور ہندی مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی مفادات کا تحفظ اسکے ذریعہ کہاں تک ہو سکتا ہے؟ ایکطرف ہماری سرزمین میں ہندو ہیں اُن کی اکثریت ہے، انکا قومی ادارہ "انڈین نیشنل کانگرس" ہے، اُن کی اسلام سوز مساعی میں اسلامی تہذیب و تمدن کو مٹانیوالا ولولہ ہے، اتحاد اسلامی اور اسلامی تنظیم اُنکے نزدیک "متحدہ قومیت" کی تشکیل میں ایک بڑی رُکاوٹ ہے، اُردو زبان کو مٹا کر مُردہ زبان سنسکرت کو زندہ کرنا ان کی قومی زندگی کا نصب العین بنگیا ہے۔ "جملہ مذاہب کی سچائی" کے پردہ میں گاندھی جی اسلامی عقائد کی صلابت اور ایمان کی چٹان کو نرم اور کمزور کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کی اقلیت ہے اُنکے نظریات زندگی اکثریت سے الگ ہیں۔ انکا نصب العین الگ ہے۔ اُنکے معاشی اور معاشرتی زاویہائے نگاہ الگ ہیں ان کے قلب و دماغ کی ساخت جداگانہ ہے۔

ان حالات میں اگر مسلمان یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی آبادی پچاس فیصدی سے زیادہ ہے وہاں اُن کو یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنا علیحدہ وفاق قایم کرلیں اور ان صوبوں کے لیے بھی اسی حق کو تسلیم کریں جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے تو اس میں ظلم و سازش کی کون سی بات ہے؟ مسلمان کا نصب العین ہندو کے نصب العین سے بالکل جدا ہے، مسلمان صرف خدا کی حکومت چاہتا ہے انسانی حکومت انکے نزدیک کفر ہے۔ مسلمان کی سیاست کا مدعا صرف "روٹی" نہیں ہے بلکہ وہ مکارم اخلاق اور زندگی کا وہ بلند نظریہ ہے جو ہر زمانہ میں فاروق اعظم جیسا عادل و مدبر، خالد بن ولید جیسا شجاع و بہادر اور صلاح الدین جیسا اولوالعزم اور غیر تمند پیدا کرتا رہے، ہندو کا نصب العین صرف "روٹی" ہے، اقلیتوں کا خون چوس کر اپنی زندگی کو برقرار رکھنا اور قومیت کے جغرافیائی تخیل کو نشوونما دے کر انسانیت کی عظمت کو

خاک میں ملانا ہے۔ ان حقائق کو سامنے رکھ کر اگر ہم مسز وجے لکشمی پنڈت کے الفاظ میں یہ عرض کریں کہ جرائم پیشہ

ایک ایسی حکومت ہے جس کا نصب العین ہمارے نصب العین سے بالکل مختلف ہو پورے

طور پر قطع تعلق کر لینا چاہیے"

تو فرمائیے کہ یہ کون سا جرم عظیم ہے جس کی پاداش میں ہمیں حوالۂ دار و رسن کیے جانے کا فتویٰ دیا جاتا ہے؟

فلسطین میں یوں تو ۱۹۱۳ء سے انقلاب کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں مگر ۱۹۲۶ء سے اسیر جو قیامت توڑی جا رہی ہے وہ بیان سے باہر ہے اور ۱۹۳۸ء میں اب تک کے حالات تو اس قدر دردناک ہیں کہ ان کے صرف تصور سے ہی روح کانپنے لگتی ہے۔ فلسطین کے عربوں کی تباہی کا اندازہ اس سے لگیے کہ جنین جیسا تاریخی شہر اور اس شہر کا ایک ایک مکان برطانوی فوج نے ڈائنامیٹ سے اڑا دیا اور اب وہاں مٹی کے ڈھیر کے سوا اور کچھ باقی نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کوئٹہ کی طرح کوئی زلزلہ آیا اور پورے شہر کو زیر و زبر کر گیا۔

ان حوادث سے کون سا شریف دل ہے جو متاثر نہ ہو؟ عربوں کا ملک اور ملک میں عربوں اور مسلمانوں کے مذہبی اور تاریخی آثار، عربوں کی اکثریت اور عرب بھی وہ جنہوں نے جنگ عظیم میں برطانیہ کا ساتھ دیا، آج کس طرح بارود کے شعلوں سے بھسم کیے جا رہے ہیں۔ عربی ممالک ارض قدس کے حوادث سے سخت متاثر ہیں۔ دنیا کا ہر مسلمان ان پر ماتم کر رہا ہے۔ فلسطین کے یتیم بچے اور بیوائیں برطانیہ کی جان کو رو رہی ہیں مگر مہذب حکومت، علوم و سائنس کی حکومت، تہذیب انسانیت کا درس دینے والی حکومت زیادہ سے زیادہ سخت ہوتی جا رہی ہے اور یہودیوں کی محبت میں، وہ یہودی جنہوں نے عیسائیوں کے "خداوند" کو سولی پر چڑھا کر ہلاک کیا تھا۔ برطانیہ نہ صرف اپنے وعدوں کو فراموش کر رہی ہے، بلکہ عقل و نقل کی پابندی سے آزاد ہو کر اس نے بین الاقوامی اخلاق اور آئین حکمرانی کا بھی گلا گھونٹ کر رکھ دیا ہے۔

• حالات جب نازک سے نازک تر ہوتے گئے تو مصری پارلیمنٹ کے ایک رکن محمد علی علوبہ پاشا نے فلسطین کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا اور دنیا کے مسلم نمائندوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو قاہرہ میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں حکومت عراق، حجاز، شام، لبنان، یمن، کے علاوہ مغرب اقصیٰ، چین، ہندوستان اور دیگر ممالک کے نمائندوں نے بھی حصہ لیا۔ کانفرنس میں وہی تجاویز منظور ہوئیں جو حکومت

عراق برطانیہ کے سامنے پیش کر چکی ہے۔ یعنی۔

(۱) اعلان بالفور بنیادی طور پر باطل ہے اس کی تنسیخ عمل میں لائی جائے۔

(۲) فلسطین میں ہجرت الیہود کے سلسلہ کو فوراً روک دیا جائے۔

(۳) تجویز تقسیم فلسطین کو قطعی طور پر مسترد کر دیا جائے۔

(۴) فلسطین میں دستوری حکومت قایم کیجائے جسمیں عربوں اور یہودیوں کی آبادی کے تناسب ارکان کا انتخاب عمل میں آئے

(۵) فلسطین اور برطانیہ میں دوستانہ معاہدہ منعقد ہو تاکہ انقلاب کی لعنت ختم ہو جائے۔

(۶) سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے اور ملک بدر لوگوں کو واپس بلایا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ فلسطین کی موجودہ مشکلات کا حل اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ برطانیہ جلد سے جلد اپنی خطرناک پالیسی تبدیل کر کے ان تجاویز کو منظور کرلے ہمیں یقین ہے کہ عربوں کا خون رائگاں نہیں جائیگا اور برطانیہ کو مجبور ہو کر ندامت کے ساتھ ان تجاویز کو منظور کرنا پڑے گا اچھا ہو کہ وہ عزت کے ساتھ اپنے پہلے ہی قدم میں اسے منظور کرلے۔

مناسب ہوگا اگر ہم اس مقام پر برطانیہ کو چکوسلاویکیا کے حالیہ انقلاب کی طرف توجہ دلائیں کیونکہ اسکے تصفیہ اور فیصلہ کا سہرا برطانیہ ہی کے سر ہے۔ چکوسلاویکیا کے سوڈٹین جرمنوں کو یہ حق دیدیا گیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جس حکومت کے ساتھ چاہیں اپنا الحاق کرلیں۔ چنانچہ انھوں نے جرمنی کے ساتھ اپنا الحاق کرلیا۔ یہ اس لیئے کہ سوڈٹین جرمنوں کی آبادی پچاس فیصدی سے زیادہ تھی۔ اگر برطانیہ کا منہ ایک ہے، دل و دماغ ایک ہے۔ حق و سچائی کا معیار بھی اسکے نزدیک ایک ہی ہے تو عربوں کو بھی یہ حق دیدے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے ملک کا جو فیصلہ چاہیں کرلیں کیونکہ فلسطین میں اب بھی انکی آبادی ۵۰ فیصدی سے زیادہ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ برطانیہ عربوں کے لیئے چکوسلاویکیا کو معیار قرار نہ دیگی۔ کیونکہ سوڈٹین جرمنوں کے متعلق تو ہر ہٹلر نے خود یہ کہا تھا کہ "سوڈٹین فلسطین نباشد۔ یہاں کے جرمنی فلسطینی عربوں کی طرح بے یار و مددگار نہیں ہیں" مگر فلسطین کے لیئے یہ الفاظ کہنے والا اب تک کوئی پیدا نہیں ہوا لیکن ہمارے نزدیک تہذیب و شائستگی کے بلند بانگ دعاوی سے بہتر ہے کہ برطانیہ ہر ہٹلر کی طرح کسی "مرد غیب" کا انتظار نہ کرے، بلکہ حق و انصاف کی خاطر عربوں کے حقوق تسلیم کرلے

کیونکہ مرد غیب پیدا ہو جانے کے بعد تو نہ انجمن بماند نہ انجنیری۔

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس منعقدہ دہلی میں ڈاکٹر اشرف صاحب کی تجویز کا جو ہندی اور ہندوستانی کے تصفیہ کے متعلق تھی، جو حشر ہوا اس سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ کانگرسی ہندوؤں اور کانگرسی وزیروں کی اُردو دشمنی اور سنسکرت نوازی کے متعلق مسلمانوں میں جو شکوک پیدا ہو چکے ہیں وہ بے بنیاد اور بادِ ہوائی نہیں ہیں بلکہ انکا خطرہ واقعات پر مبنی ہے ایسے واقعات جنسے کانگرس کے بعض ارکان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ڈاکٹر اشرف کی تجویز کوئی نئی تجویز نہ تھی، بلکہ کانگرس کی اس پالیسی کا اعادہ تھا جو زبان و تہذیب کے بارے میں بارہا ظاہر کر چکی ہے یعنی یہ کہ "کانگرس ہندوستانی زبان کو جو اردو اور دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے ہندوستان کی قومی زبان مانتی ہے" مگر "اشرف" کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھاکر کانگرسی ہندوؤں نے جس طرح کانگرس کی "منظور شدہ" پالیسی کی مٹی پلید کی اور جس انداز میں اسکا مذاق اُڑایا وہ نہ صرف افسوسناک ہے بلکہ اس قابل ہے کہ ہندوستان کا ہر انسان اسپر بار بار غور کرے اور یہ دیکھے کہ کانگرسی ہندو کس طرح مسلم آزاری اور اسلام دشمنی پر تُلا ہوا ہے اگرچہ مولانا ابوالکلام آزاد نے (جو اتفاق سے جلسہ کے صدر تھے) یہ اعلان بھی فرما دیا تھا کہ ہم اس تجویز سے بالکل متفق ہیں اگر ڈاکٹر اشرف صاحب اسکے دوسرے حصہ کو (جس کا تعلق ہندوستانی بورڈ کے تقرر سے تھا) واپس لیں تو ورکنگ کمیٹی کو اس قرارداد پر کوئی اعتراض نہ ہوگا تاہم کانگرس کے اجارہ داروں نے اصل تجویز کو مسترد کر دیا جسکے صاف معنی یہ ہیں کہ ہندو اُردو زبان اور اُردو رسم الخط کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور کانگرس کی منظور شدہ پالیسی ایک وقتی چیز ہے جسکو ہندو جذبات کا سیلاب ہر وقت بدل سکتا ہے جب اصل تجویز کانگرسی ہندوؤں کے ہاتھوں ذبح کردی گئی تو ورکنگ کمیٹی کو ہوش آیا اور اُسنے نہایت ہوشیاری سے یہ قرارداد منظور کی۔

"ورکنگ کمیٹی کو افسوس ہے کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس میں ہندوستانی زبان کے متعلق ڈاکٹر اشرف کی قرارداد بعض الجھنوں کیوجہ سے مسترد ہوگئی لیکن اس قرارداد کے مسترد ہو جانے سے کانگرس کے رویہ پر جسکی وضاحت کانگرس کے دستور العمل میں کیگئی ہے کوئی اثر نہیں پڑتا"

گویا آل انڈیا کانگرس کمیٹی جس اصول سے انحراف کرکے بغاوت کر سکتی ہے ورکنگ کمیٹی اسکا علاج یہ

تجویز کرتی ہے کہ اسپر صرف "افسوس" کا اظہار کر دے اور باغیوں سے یہ بھی نہ پوچھے کہ تنے کانگرس کی جانی بوجھی گئی اسکیم سے انحراف کیوں کیا اور کانگریسی ہوکر کانگریس سے کیوں بغاوت اختیار کی؟

۳۰ ستمبر کو سی پی اسمبلی میں مسٹر ہدایت علیخاں اور خاں صاحب کٹار خاں نے ایک تجویز پیش کی کہ اسمبلی کی منظور شدہ زبانوں میں (جو صرف ہندی اور مرہٹی تک محدود ہیں) اردو کو بھی شامل کیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ کراچی میں کانگریس نے اس بات کا وعدہ کیا ہے کہ وہ اقلیتوں کی زبان وتہذیب کی حفاظت کریگی اگر کانگریسی چاہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کا اعتماد حاصل کریں تو انہیں کراچی کے اس ریزولیوشن کو فراموش نہ کرنا چاہئے! اسکا جو جواب مسٹر مہتہ وزیر مالیات نے دیا، اُسے سُنکر حیرت ہوگی۔ آپنے فرمایا:-

"جو لوگ کانگریس کو قومی ادارہ تسلیم نہیں کرتے انہیں کیا حق ہے کہ کراچی رزولیوشن کا حوالہ دیں۔ اور کانگریسی حکومت کو اسکی طرف توجہ دلائیں"۔ (ہندوستان ٹائمز یکم اکتوبر ۱۹۳۸ء)

اس اعلان کے بعد اب جاننا کیجئے کانگریس کے اعلان آزادی اور کراچی رزولیوشن کو! اگر آپ کانگریس کے اعلان سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں تو کانگریس کو ہندوستان کا "قومی ادارہ" تسلیم کیجئے اور اس میں شامل ہو جائیے اگر آپ شامل نہیں ہوتے تو کانگریس اور کانگریسی حکومتیں روز روشن میں آپکی تہذیب وزبان کو مٹائیں گی آپکے مذہب میں مداخلت کریں گی اور قدم قدم پر آپکے راستہ میں حائل ہونگی اور آپکو چپ چاپ یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑیگا! کانگریس نے کراچی کے اجلاس میں جو تاریخی اعلان کیا تھا وہ اعلان جس کا ہر موقعہ پر حوالہ دیا جاتا ہے اور خود کانگریسی مسلمان اسکے ذریعہ مسلمانوں کو فریب دینے کی کوشش فرمایا کرتے ہیں، وہ اس لئے نہیں تھا کہ کانگریس سے باہر کی اقلیتوں کو اطمینان دلائے کہ انکا مذہب۔ ان کی زبان اور تہذیب محفوظ رہیگی بلکہ اسلئے تھا کہ جو لوگ کانگرس کے سایہ تلے آتے رہیں ان کو یہ تحفہ دیدیا جائے اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص "متحدہ قومیت" کے تصور کو لیکر کانگریس میں جائے گا اُسکے لئے یہ تحفظات کوئی قیمت نہیں رکھتے اور نہ کانگریس میں داخل ہونے کے بعد مذہب اور زبان کے سوالات کسی کے دماغ کو پریشان کرسکتے ہیں! کاش! کانگرس بھی مسٹر مہتہ کیطرح اپنے "اعلان حقوق" میں اس شرط کا اور اضافہ کردے تاکہ جو لوگ ابتک اسکے جال میں گرفتار ہیں اپنے کانگریس کی طرف سے نہیں، بلکہ ہماری طرف سے اتمام حجت ہو جائے اور اُنہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مخفی صد درہم اکبر میں کتنی تعداد

پیامِ اقبالؒ اور قرآن کریم

(از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز بی اے ہوم ڈیپارٹمنٹ
نئی دہلی)

تمہید:-

باوجودیکہ قرآن کریم میں باعتبار بلاغت ہر وہ حسن موجود ہے جو ایک بہترین شعر میں ہونا چاہیئے۔ متعدد مقامات پر اس امر کی وضاحت کیگئی ہے کہ قرآن کریم شاعری نہیں۔ رسول اکرم شاعر نہیں:-

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۙ لِّيُنْذِرَ
مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۳۶/۷۰-۶۹

اور ہم نے اس (رسول) کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی یہ اسکے شایانِ شان تھی بلکہ یہ تو ایک (فطرت کے بھلائے ہوئے سبق کی) یاد دہانی ہے۔ اور کھلا کھلا قرآن (اور اس کا کام یہ ہے کہ) ہر اس شخص کو جس (کے خون میں) زندگی کی تڑپ موجود ہو (فطرت کے اٹل قوانین سے) آگاہ کر دے اور نہ ماننے والوں پر (ان کی ہلاکت و بربادی سے پیشتر) اتمام حجت ہو جائے

اس سے معلوم ہو گیا کہ قرآن کی رو سے محض شاعری کیوں کسی پیغمبر کے شایان شان نہ تھی۔ اور ایک رسول کا پیغام شعر کی تمام لطافتیں اپنے اندر رکھتے ہوئے کس طرح "شعر" سے مختلف ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ پیغام جس کا سرچشمہ خدائے حیّ و قیوم کا علم ازلی ہوتا ہے اس کی مابہ الامتیاز خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ قوموں کے عروقِ مردہ میں خونِ زندگی دوڑا دے۔ مردوں کی بستی میں صورِ اسرافیل پھونک دے۔ یہی خصوصیت ہے جسکے لیے نوعِ انسانی کو قرآن کیطرف دعوت دی جاتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۸/۲۴

؎ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى

اے ماننے والو! اللہ اور اُسکے رسُول کی دعوت پر لبیک کہا کرو جب وہ تمہیں اُس
چیز کیطرف بُلاتا ہے، جو تمہیں زندگی بخشتی ہے۔

شعرا اور قرآن کے اس نمایاں فرق کو ایک دوسری جگہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ عام شاعروں کی یہ
کیفیت ہوتی ہے کہ:-

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۙ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ‎٢٦/٢٢٥-٢٢٦

وہ یونہی اِدہر اُدہر صحرا نوردہاں اور دشت پیمایاں کرتے پھرتے ہیں۔ اور اُنکے قول و
فعل میں۔ قلب و زبان میں، کبھی ہم آہنگی نہیں ہوتی

ظاہر ہے کہ جس شخص کے سامنے کوئی منزل مقصود ہوگی، زندگی کا کوئی منتہیٰ ہوگا اُس کا ہر قدم ایک خاص سمت میں اُٹھے گا۔ اُس کا رُخ ایک خاص قبلۂ مقصود کیطرف ہوگا، برعکس اسکے جس شخص کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد نہ ہوگا۔ کوئی منزلِ مقصود متعین نہ ہوگی وہ شترِ بے مہار کیطرح جدہر مُنہ اُٹھائے گا چل دیگا۔ کبھی تخیلات کی اس حسین و جمیل وادی میں، کبھی تصورات کے اُس ہولناک اور بھیانک صحرا میں بمقصد پیشِ نظر صرف گرمیٔ سخن ہوگا اور اس کی خاطر اکثر و بیشتر یہی کرنا پڑے گا کہ دل کچھ محسوس کرے اور زبان کچھ کہے۔ برعکس اسکے ایک شخص کے سامنے زندگی کا ایک خاص مقصد ہے اور وہ مقصد بھی اپنا متعین کردہ نہیں بلکہ وہ جو اُس قرآن کریم نے متعین کیا ہے جس پر اُسکا ایمان ہے، ایمان کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے قلب و دماغ اپنے جذبات و افکار کو اس چیز کے تابع رکھے جس پر اُسکا ایمان ہے، وہ سوچے تو اُسکی مدد سے، وہ سمجھے تو اُس کی روشنی میں۔ وہ دیکھے تو اُسکے نور سے۔ وہ حقایق کو پرکھے تو اسی کسوٹی پر۔ اور قبول کرے تو اس کو جو اُس کی رو سے قبول کیے جانے کے قابل ہو اور رد کرے تو اسکو جو اسکے نزدیک مردود ہو۔ اب اگر ایسا مردِ مومن اپنے خیالات کو (جو دراصل قرآن پاک ہی کے خیالات ہونگے) زبانِ شعر سے ادا کرے تو یہ شعرا کے اُس زمرے میں آجائے گا۔ جس کا استثنا قرآن کریم نے اس آیت میں فرما دیا ہے جو مذکورۂ صدر آیت سے متصل ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا
ظُلِمُوْا ...... ‎٢٦/٢٢٧

مگر وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں۔ اعمالِ صالحہ کرتے ہیں اور اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں
اور اپنے آپ کی مدافعت اُسوقت کرتے ہیں جب اُن پر زیادتی کیگئی ہو ؎۱۔

اقبالؔ اسی زُمرہ میں شامل ہے۔ اور شعر اور قرآن فہمی کی جن بلندیوں پر وہ پہنچ چکا تھا، اُن کی رو سے بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ عالمِ اسلام نے اس سے پہلے کبھی ایسا شاعر پیدا نہیں کیا۔

لہٰذا اگر یہ درست ہے کہ کسی شاعر کے کلام میں عروسِ معنی کو بے نقاب دیکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے ان جذبات و خیالات کی تہ تک پہنچا جائے جن پر اُس کی شاعری کی اساس ہے اور اس سرچشمہ سے واقفیت حاصل کیجائے جو اُسکے تخیلات کا ماخذ ہے تو بلا تکلف کہا جا سکتا ہے کہ اقبالؔ کا کلام کما حقہٗ سمجھ میں نہیں آسکتا۔ جب تک قرآن کریم نگاہوں کے سامنے نہ ہو؛ جو اِس زاویۂ نگاہ سے پیغامِ اقبالؔ کو دیکھے گا۔ وہ جہاں ایکطرف یہ محسوس کرے گا کہ قرآن کریم انسان کو کن بلندیوں تک اُڑا کرلے جاتا ہے دوسری طرف یہ بھی دیکھ لے گا کہ حضرتِ علامہؒ قرآن کریم کے اہم حقائق اور ادق مسائل کو کس خوبصورتی اور سلاست کے ساتھ ایک شعر میں حل کر کے رکھ دیتے ہیں۔ میں نے بھی ایک عرصہ تک اقبالؔ کو محض ایک شاعر کی حیثیت ہی سے دیکھا اور اُنکے کلام سے محض "شاعری" ہی کا لُطف اُٹھایا لیکن جب یہ حقیقت سامنے آگئی کہ کلامِ اقبالؔ کا سرچشمہ کیا ہے تو اسکے بعد ان کی شاعری کی نوعیت ہی بدل گئی اور یہ سمجھ میں آیا کہ اقبالؔ کیا کہتا ہے۔ کیوں کہتا ہے، اور کیسے کہتا ہے، اور یہ راز بھی کھل گیا، کہ وہ کون سی شاعری ہے جسکے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ اس کا اتباع راہ گم کردہ لوگ ہی کرتے ہیں:۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ ۲۶/۲۲۴

اور وہ کون سی جو اُس منزلِ مقصود کے لیے چراغِ راہ کا کام دیتی ہے جس کیطرف صراطِ مستقیم لے جاتا ہے۔ ایسا شاعر جسکے متعلق حضرتِ علامہؒ فرماتے ہیں:۔

شاعر اندر سینۂ ملت چو دل؛ ملتے بے شاعرے انبارِ گِل
سوز و مستی نقشبندِ عالمے است؛ شاعری بے سوز و مستی ماتمے است

؎۱ اس حصہ آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایک اسلامی شاعر کو اپنی روش کب کیوں اور کن حالات کے ماتحت بدلنا پڑتی ہے؟

شعر را مقصود اگر آدم گری است　　　شاعری ہم وارثِ پیغمبری است

بہرکیف یہ ہے وہ انداز جس سے میں نے حضرت علامہؒ کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے قرآنِ کریم کو جس طرح سمجھا ہے اس کی اجمالی سی کیفیت آپ کو معارف القرآن کے ان حصوں سے معلوم ہوگئی ہوگی، جو اسوقت تک "طلوع اسلام" میں شائع ہو چکے ہیں۔ قرآن فہمی کے اس اسلوب کیطرف میری رہنمائی کرنے میں جن گرانمایہ ہستیوں کے بارِ احسان سے میری گردن شکر ہمیشہ نگوں سار رہے گی ان میں حضرت علامہؒ کی ذاتِ گرامی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے، بارہا ایسا ہوا کہ میں قرآن کریم کے کسی مشکل مقام پر جا کر رُک گیا تو حضرت علامہ کے ایک شعر نے ذہن میں ایک ایسی بجلی کی سی چمک پیدا کردی۔ جس سے صحیح راستہ فوراً نگاہ کے سامنے آگیا۔ دوسری طرف ایسا بھی اکثر ہوا کہ حضرت علامہ کے کسی شعر کے متعلق کچھ اُلجھاؤ سا پیدا ہوا تو کسی آیتِ قرآنی نے اپنے "ہمسم" کے اعجاز سے قفلِ ابہام کو کھولدیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرتِ علامہؒ کی صحیح عظمت ہی اس میں ہے کہ انھوں نے اس دور میں جب کہ مسلمان قرآن کریم سے بہت دُور ہو چکے تھے۔ اُنکے سامنے قرآنی تعلیم کو اس حسین و دلکش انداز میں پیش کیا کہ سعید روحیں اپنے بربطِ ہستی کے تاروں اور اس سازِ الست کے پردوں میں ایک کھوئی ہوئی ہم آہنگی یوں محسوس کرنے لگ گئیں، جیسے دامنِ کوہسار کی چاند رات میں دُور سے بانسری کی ہلکی ہلکی آواز کسی بھولے ہوئے افسانے کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔ قوم کے نوجوانوں کو مذہب سے چڑھ سی ہو چکی تھی۔ اور مذہب پرست طبقہ اُنکے کھلے ہوئے الحاد اور دہریت کی وجہ سے اُن کی طرف سے مایوس ہو چکا تھا، حضرتِ علامہؒ نے مذہب کو ایسے انداز میں پیش کیا کہ اس کی رُوح پھر سے اُنکے خون کے ذروں میں جذب ہوگئی۔ اور اس طرح وہ غیر محسوس طور پر قرآن کریم کے قریب لا کر کھڑے کر دیے گئے۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ ایک تعلیم یافتہ نوجوان جو مذہب سے بیگانہ ہی نہیں، بلکہ متنفر ہو چکا ہو لیکن کلامِ اقبال سے اسے کچھ ذوق ہو۔ اسکے سامنے اگر قرآن کریم کو اس کی اصلی شکل میں پیش کر دیا جائے تو وہ اسے ایک جانی پہچانی ہوئی چیز محسوس کرنے لگتا ہے۔ مجھے اس چیز کا نمایاں طور پر تجربہ یوم اقبال

کی تقریب پر ہوا، جہاں میں نے اپنے مقالہ کا موضوع "پیام اقبال اور قرآن کریم" رکھا تھا۔ میں ڈرتا تھا کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے اجتماع میں یہ خشک موضوع شاید ہی درخورِ التفات سمجھا جائے، لیکن اُسنے جو فوری اثر وہاں پیدا کیا اور اسکے بعد جو نقوش باقی چھوڑے اس سے مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی کہ حضرت علامہؒ غیر محسوس طور پر نوجوانوں کے طبقہ کو کس قدر قرآن کریم کے قریب لاچکے ہیں اب صرف اتنا کرنا باقی ہے کہ انہیں یہ بتایا جائے کہ حضرتِ علامہؒ نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ قرآن کریم ہی کی ترجمانی ہے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر میں نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے، یومِ اقبال کی تقریب پر جو مقالہ میں نے پڑھا تھا۔ وہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے اسکے بعد اور عنوانات بھی سامنے آتے جائیں گے، اس موضوع پر بہت کچھ میں نے لکھ لیا ہے اور ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ سردست یہ "طلوع اسلام" کے صفحات پر بالاقساط شائع ہوگا۔ اسکے بعد جو اللہ کو منظور۔ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

سوراجی اسلام

یہ وہ کتاب ہے جسنے سیاسی دُنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ کانگریسی ہندو اب تک اسلام کے خلاف کیا کچھ کر چکے ہیں اور آئندہ کیا کرنیوالے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے الہلال میں جن خیالات کا اظہار فرمایا تھا اور یہ بتایا تھا کہ مسلمانوں کو بربنائے مذہب اپنی سیاسی اور مذہبی تنظیم کرنی چاہیئے۔ کانگریس اور ہندوؤں کی پیروی انکے لیے سم قاتل ہے وغیرہ وہ بلاکم وکاست "سوراجی اسلام" میں درج کردیے گئے ہیں اسکے علاوہ کتاب میں اسلام اور سیاست جماعت کی اہمیت جواہر لال نہرو کے خطرناک خیالات پر تنقید وغیرہ بہت سے مفید مضامین آگئے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر مسلمان اپنی سیاست کا آسانی سے فیصلہ کرسکتے ہیں

قیمت فی نسخہ دو آنہ (۲ر) محصول ایک نسخہ کے لیئے ۱ر

مینیجر رسالہ طلوع اسلام بلیماراں دہلی

مرکزیّت

اسلامی نظام کا عُروۃ الوثقیٰ

(چودھری غلام احمد صاحب پرویز بی اے)

طلوع اسلام بابت ماہ اکتوبر میں حضرت مولانا محمد اسلم صاحب جیراجپوری مدظلہٗ کا مضمون "اسلامی نظام" شائع ہوا ہے، وہ صاحبِ نظر مسلمان جو موجودہ ہیئت اسلامیہ میں کوئی کمی محسوس کرتے تھے لیکن انہیں یہ نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ وہ کمی کیا ہے، وہ کون سا عنصر ہے جسکے گم ہو جانے سے ملتِ اسلامیہ ایک جسدِ بے روح بن چکی ہے؟ اُنپر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہوگی کہ وہ جس متاعِ گم گشتہ کی تلاش میں تھے اسکا سُراغ حضرت مولانا نے دیدیا ہے۔ چونکہ اسلامی نظام کا جو تصور انہوں نے پیش کیا ہے وہ مسلمانوں کی نگاہوں سے عرصۂ بعید سے اوجھل ہو چکا ہے، اس لیے شروع شروع میں سطح بین مسلمان اس تصور میں اجنبیت سی محسوس کریں گے۔ اس خیال کے پیش نظر میں نے یہ ضروری سمجھا ہے کہ اس موضوع پر مختلف گوشوں سے اس قدر روشنی ڈالی جائے کہ وہ ایک حقیقت ثابتہ بنکر نگاہوں کے سامنے آجائے، اور اس طرح یقین محکم کی شکل میں دل میں جاگزیں ہو جائے، کہ جب تک مسلمان اس بھولی ہوئی داستان کو پھر سے از بر نہیں کر لیتے انکا کوئی عمل نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ بہتر ہوگا کہ اس سلسلہ میں میرا وہ مضمون بھی پیش نظر رکھ لیا جائے، جو جولائی کے پرچہ میں "اجتماعی زندگی" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ ان تمام مضامین کو ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں سمجھنا چاہیے۔

معتقدات انسان کی گراں بہا متاع عزیز ہوتے ہیں۔ اور جب وہ ایک مرتبہ دل کی گہرائیوں میں اُتر جائیں تو انکا استیصال بہت مشکل ہو جاتا ہے، خواہ وہ کتنے ہی غلط کیوں نہ ہوں۔ اس لیے کہ جب

انسان اُنہیں اعماقِ قلب سے جُدا ہوتے دیکھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ میری دُنیا لُٹ رہی ہے، میری عاقبت خراب ہو رہی ہے، حالانکہ ہو سکتا ہے کہ وہی رُفقائے محترم جنہیں اُس نے دل کے نازک ترین گوشوں میں جانِ مُدعا بنا کر بڑی محبت اور بیباکی سے چھپا رکھا ہے، بجائے خویشتن غارتگرِ ایمان و دین اور رہزنِ علم و بصیرت ہوں، پھر چونکہ انسان اپنے معتقدات کو بالعموم وراثت میں پاتا ہے، اس لئے انکا تقدس کچھ اور بھی بڑھ جاتا ہے، وہ اُن پر کسی قسم کی تنقیدی نگاہ ڈالنا اپنے آباء و اجداد کی شان میں سوءِ ادبی سمجھتا ہے اور بزرگوں کی اِس باپوتی امانت کو اپنی خوش عقیدگی کے حسین غلاف میں لپیٹ کر آگے منتقل کر دیتا ہے، یونہی غلاف پر غلاف چڑھتا چلا جاتا ہے، اور اس امانت کی عظمت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے کوئی شخص اپنے اندر اتنی جرأت نہیں پاتا کہ اِن غلافوں کو اُتار کر اپنی آنکھوں سے تو دیکھ لے کہ انکے اندر کیا ہے؟ حتیٰ کہ اگر کوئی "متاعِ ملفوف" کے متعلق اتنا ہی کہہ دے کہ کسی کے سامنے نہ سہی، تنہائی میں کبھی اطمینان تو کر لو کہ یہ ہے کیا؟ تو اِس بات کا تصور اُس کی روح میں کپکپی پیدا کر دیتا ہے، لرزشِ قلب سے اُسکے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہوتا ہے، اُسکے پاؤں لڑکھڑانے لگ جاتے ہیں، وہ ڈرتا ہے، کانپتا ہے، اور اِس وسوسۂ شیطانی پر اپنے بزرگوں کی روحوں سے معافی مانگتا ہے، اُنکے سامنے گڑگڑاتا ہے، اور اس گناہ کے کفارہ کے طور پر اس مقدس امانت پر عقیدت کا ایک اور غلاف چڑھا دیتا ہے جب کوئی پُوچھنے والا اسکے اِس طرزِ عمل کی صحت کی دلیل طلب کرتا ہے، تو اسکے جواب میں وہ صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۲۳/۴۳ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ایک روش پر چلتے دیکھا، اور انہی کے نقوشِ قدم پر خود چلتے جا رہے ہیں، اور یہ کہہ کر سمجھ لیتا ہے کہ میں نے اپنے برسرِ حق ہونے کی ایک مسکت دلیل پیش کر دی ہے، حالانکہ یہ ایک فریب ہوتا ہے، جس میں وہ اپنے آپ کو مبتلا رکھتا ہے، قرآنِ کریم اس روشِ زندگی کو اندھی تقلید کہتا ہے، کُھلی ہوئی گمراہی قرار دیتا ہے اولٰئک کالانعام کہہ کر انسانیت سے گری ہوئی یعنی حیوانیت کی ذہنیت بتاتا ہے، بلکہ بل ھم اضل کے اضافے سے ایسے انسانوں کو حیوانوں سے بھی زیادہ راہ گم کردہ قرار دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ اُن لوگوں کی راہ ہے، جو سہولت پسند ہو جاتے ہیں، آرام طلب بن جاتے ہیں (مُترفین ۲۳/۴۳) اس لئے کہ جس راہ پر آباء و اجداد کو چلتے

دیکھا، اسپر آنکھ بند کرکے چلتے جانا نہایت تن آسانی کا راستہ ہوتا ہے، راہِ تحقیق تو بڑی جانگدازی اور جگر کاوی کی راہ ہوتی ہے، لیکن قرآنِ کریم اس کو رانہ تقلید کے برعکس حق و اعتدال کی راہ کچھ اور بتاتا ہے' اُس کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی بصیرت سے کام لے، دیدۂ اعتبار اور گوشِ ہوش کو وا کرے اور ان کی مدد سے قرآن کریم کی روشنی میں صحیح اور غلط۔ حق، اور باطل، کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرتا جائے، اور یوں قلبِ سلیم کو ایمان خالص اور معتقداتِ صحیحہ کا محفوظ خزانہ بنائے، یہ وہ صراطِ مستقیم ہے جسکے متعلق قرآن کریم میں بلسان نبوت ارشاد ہے۔ اُدْعُوا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ۔ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (میں اور میری اتباع کرنیوالے خدا کیطرف علیٰ وجہ البصیرت دعوت دیتے ہیں)

ان دونوں راستوں کو سامنے رکھیے، اور پھر کبھی رات کی تنہائیوں میں، نیند سے کچھ وقت پہلے، محض خالصۃً للہ سوچئے کہ آپ جس راہ پر چل رہے ہیں وہ کون سی راہ ہے، غالباً آپ یہی کہیں گے کہ ہیں تو ہمارے دل نے ہمیشہ یہی جواب دیا ہے کہ جس راہ پر تم جا رہے ہو، وہی حق و عدل کا صراطِ مستقیم ہے لیکن میں گزارش کردوں گا کہ اگر اسکے بعد آپنے کبھی اپنے دل سے اس قسم کے سوال کرنے کی ضرورت محسوس کی تو ان اُمور کو پیشِ نظر رکھ کر سوال کیجئے جو آئندہ سطور میں آپ کو ملیں۔ وفیھا اٰیاتٌ لقوم یعقلون ٭

آپ تاریخِ اسلام کے اوراق کو قریب سا ڑھے تیرہ سو برس پیچھے اُلٹیے اور دیکھئے کہ وہاں آپ کو کیا نظر آتا ہے، آپ کو ایک اور صرف ایک چیز نظر آئے گی۔ اور وہ یہ کہ نبی اکرم صلعم نے ایک دین پیش کیا جو خدائے واحد کیطرف سے دینِ واحد تھا، جس میں کوئی تضاد نہ تھا، تباین نہ تہا، تخالف نہ تھا، اور اس دین پر حامل ایک جماعت تیار کی جو اُمتِ واحدہ تھی، باہم متحد تھی، اس میں کہیں تشتت نہ تھا، انتشار نہ تھا۔ افتراق نہ تھا تشیع نہ تھا تحزب نہ تہا، ایک گروہ تہا۔ کوئی دوسرا گروہ نہ تھا۔ ایک فرقہ تہا، کوئی دوسرا فرقہ نہ تہا، ایک مسلک تہا، کوئی دوسرا مسلک نہ تھا، ایک راستہ تہا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا، ہر ایک کا قدم ایک منزل کیطرف اُٹھتا تھا، اور ہر ایک کا رُخ ایک قبلۂ مقصود کیطرف

رہتا تھا۔ آپ اس منظر کو بنظرِ غائر دیکھئے۔ ما تری فی خلق الرحمٰن من تفوٰت۔ اللہ کے اس دینِ فطرت میں کہیں کوئی شکن نظر نہیں آئے گی۔ پھر دیکھئے۔ فارجع البصر ھل تریٰ من فطور۔ کیا کہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ نہیں! بار بار دیکھئے۔ ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئاً و ھو حسیر۔ نگاہ تھک کر اتشنۂ چشم میں واپس آجائے گی لیکن اس وحدتِ دین اور وحدتِ ملت میں تفریق و اختلاف کا کوئی شائبہ نہیں پائے گی۔ یہ وحدت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں، حتےٰ کہ غیر مسلموں تک کو انکار نہیں، آپ کسی شیعہ سے پوچھیئے یا سُنی سے، مقلد سے پوچھیئے یا غیر مقلد سے، حنفی سے پوچھیئے یا شافعی سے، ان سب کا ایک اور صرف ایک جواب ہوگا کہ جب نبی اکرمؐ تشریف لے گئے ہیں تو مسلمان ایک فرقہ تھے، اُنکا ایک دین تھا۔ نہ اُصول میں کوئی دوسری راہ تھی نہ فروع میں کوئی دوسرا مسلک تھا۔ نبی اکرمؐ نے ایک ایسی جماعت چھوڑی اور اس جماعت سے تاکیداً کہہ دیا اور بار بار کہہ دیا کہ دیکھنا اس وحدت کو شرک میں نہ بدل دینا۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۔

دیکھنا! کہیں مشرکین میں سے نہ ہو جانا یعنی ان لوگوں میں سے جو وحدتِ دین میں تفرقہ اندازی کرتے ہیں اور خود جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے فرقے بنا لیتے ہیں پھر ہر ایک فرقہ اپنے اپنے معتقدات کو صحیح سمجھ کر مطمئن بیٹھا رہتا ہے۔

اب جتنے ورق آپ نے پیچھے اُلٹے تھے اُتنے ہی آگے بڑھ آیئے۔ اور اپنے موجودہ دور میں پہنچ جایئے پھر نگاہ ڈالیے اور ڈھونڈیئے، تلاش کیجئے اُس وحدتِ دین کو۔ اس وحدتِ ملت کو۔ اُس ایک مسلک کو۔ اور اُس مسلک پر چلنے والی ایک جماعت کو کہیں اُس کا نشان بھی ملتا ہے؟ چھوڑیئے اس حدیثِ الم کو کہ اس تیرہ سو برس میں یہ کیسے ہوگیا لیکن دیکھئے صرف اس کو کہ یہ کیا ہوگیا؟ کیا دین اپنی موجودہ شکل میں وہی دین ہے، جو نبی اکرمؐ نے چھوڑا تھا؟ کیا ملتِ اسلامیہ، اپنی موجودہ صورت میں وہی ملت ہے، جس کی تشکیل حضورؐ نے فرمائی تھی؟ کیا وہ قوم جس کو ولا تکونوا من المشرکین

دیکھنا مشرکین میں سے نہ ہو جانا) کی تنبیہ کی گئی ہے، اس کی یہی ہیئت ہونی چاہیئے تھی! کہاں ہے وہ دین جس کو نبی اکرمؐ نے هٰذا صراطی مستقیما قرار دیکر فاتبعوہ کا حکم دیا تھا، (یعنی یہ ہے میرا سیدھا راستہ، بس اسی ایک راستہ کی اتباع کرنا) اور ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ۶/۱۵۴ کے انتباہ سے یہ بتا دیا کہ اگر بہت سے راستے اختیار کرلو گے تو وہ تمہیں خدا کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔

ایک چیز تو واضح ہے کہ جب دین ایک تھا، راستہ ایک تھا۔ جماعت ایک تھی، تو آج کہنے کو بہتر، (72) لیکن حقیقت کے اعتبار سے بہتر سو راستوں میں سے ہر ایک راستہ تو سیدھا راستہ نہیں ہو سکتا۔

آپ کا دل شاید آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کرا دے کہ جس راستے پر میں ہوں یہ وہ راستہ ہے جو نبی اکرمؐ نے بتایا تھا اور اسکے علاوہ باقی راستے وہ ہیں جو بعد کی پیداوار ہیں۔ ہاں! یہ کہہ کر اپنے آپ کو اطمینان دے لیجئے لیکن اس کا کیا علاج کہ عین اسی وقت آپ کے کمرہ سے ملحق دوسرے کمرہ میں آپکے مسلک سے جداگانہ مسلک کا حامل ایک دوسرا مسلمان (مثلاً آپ مقلد ہیں تو غیر مقلد) یہی کچھ کہہ کر اپنے آپ کو اطمینان دے رہا ہے کہ جس راستہ پر میں ہوں، وہی راستہ حق و اعتدال کا ہے۔ دوسروں کی راہ نجات و سعادت کی راہ نہیں ہے، آپ کہہ دینگے کہ وہ غلط کہتا ہے، وہ کہہ دے گا کہ آپ غلط کہتے ہیں۔ اور کہہ دیگا "کیا ہر دور یہی ہوتا ہے، اور یہ وہی حقیقت ہے جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے کہ کل حزب بما لدیھم فرحون ہر فرقہ اپنے آپ کو صراط مستقیم پر سمجھ کر مگن ہو رہا ہے۔

تو کیا اس کو مان لیا جائے کہ آپ بھی صحیح کہتے ہیں اور وہ بھی صحیح کہتا ہے! اور اس طرح ان سینکڑوں مختلف سمتوں کی طرف جانیوالے راستے سب صراط مستقیم ہیں، اس کو تو نہ آپ تسلیم کریں گے نہ کوئی اور۔

اس سوال کو ذرا اور آگے بڑھایئے اور مسئلہ من حیث الاسلام دیکھیے۔ یعنی دنیا کے چالیس کروڑ مسلمان ایک مذہب سے متمسک ہیں جسے اسلام کہتے ہیں، اس مذہب کی حالت یہ ہے کہ اسکے اندر سینکڑوں فرقے موجود ہیں۔ کیا یہ مذہب وہی ہو سکتا ہے جو نبی اکرمؐ نے امت کو دیا تھا، کہ جسکے اندر کہیں اختلاف نہ تھا، کوئی فرقہ نہ تھا۔

یعنی ایسا مذہب جس میں کوئی اختلاف نہ ہو، کوئی فرقہ نہ ہو، بلکہ فرقہ سازی شرک ہو۔ وہ بھی اسلام

اور

ایسا مذہب جس میں سینکڑوں فرقے اور ہزاروں اختلافات ہوں ——— وہ بھی اسلام۔

اس تعدد فرق کے خلفشار کا شاید آپ صحیح اندازہ نہ لگا سکیں، اس کے متعلق کسی نومسلم سے پوچھئے۔ ایک شخص مثلاً ہندو ہے، وہ کفر پر ہے، اس راستہ پر ہے جو جہنم کیطرف لے جانیوالا ہے۔ اُسے آپ اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور وہ مسلمان ہو جاتا ہے، لامحالہ وہ مسلمانوں کے اس فرقہ میں داخل ہوگا جو آپ کا فرقہ ہے لیکن یہاں پہنچکر وہ دیکھتا ہے کہ ایک دوسرے فرقہ کا مسلمان اُسے کہتا ہے کہ ناجی فرقہ تو ہمارا ہے، یہ تم کہاں آپھنسے؟ یہیں تک نہیں بلکہ وہ اس فرقہ کے خلاف تکفیر کے فتاویٰ بھی دکھا دیتا ہے، وہ نومسلم حیران ہے کہ کفر کو چھوڑکر اسلام لایا۔ جہنم سے بچنے کے لئے آبا و اجداد کا مسلک چھوڑا، لیکن بایں ہمہ وہ کفر کا لیبل اب بھی میرے ساتھ ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جہنم سے بھی نجات نہیں ملیگی۔ وہ دوسرے فرقہ میں جاتا ہے تو یہی کچھ آپ کہنے لگتے ہیں۔

کہیئے! وہ کیا کرے اور کہاں جائے؟

آپ کہیں گے کہ اسلام تو نام ہے اطاعت خدا اور رسول کا، لہذا جب میں خدا اور رسولؐ کی اطاعت کر رہا ہوں تو صحیح مذہب پر ہوں لیکن اس کا علاج کہ آپ کے کمرے سے ملحقہ کمرے والا مسلمان جو دوسرے فرقہ سے متعلق ہے بعینہٖ یہی کچھ کر رہا ہے اور کون سا فرقہ ایسا ہے کہ "خدا و رسول کی اطاعت" اُس کا دعویٰ نہیں۔

آپ کہہ دینگے کہ اس کا فیصلہ کچھ زیادہ مشکل نہیں، خدا اور رسول کی اطاعت کا معیار ہمارے پاس کتاب اللہ اور احادیث مقدسہ موجود ہیں اُن پر پرکھ کر دیکھ لیا جائیگا کہ کس کا دعویٰ صحیح ہے لیکن آپ کے مدمقابل فریق ثانی کا بھی تو یہی دعویٰ ہے اگر اس مٹھی بھر جماعت کو چھوڑ دیا جائے جسے منکرین حدیث یا چکڑالوی کہا جاتا ہے تو باقی سب مسلمان تو یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ اطاعت خدا اور رسول کے دعوے کو کتاب و سنت پر پرکھ کر دیکھ لو لیکن ان دعاوی کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے اختلافات کو چھوڑیئے آپ صدیوں سے اس معمولی سے اختلاف کا بھی فیصلہ نہیں کر سکے کہ نماز میں آمین بلند آواز سے کہنی چاہیئے یا

آہستہ، حالانکہ فریقین کے علماء کے سامنے قرآن کریم بھی ہوتا ہے اور احادیثِ مقدسہ بھی۔ اور اگر اس کے ساتھ اجماع کے معیار کو بھی شامل کرنا چاہیں تو دونوں فریق مختلف تاویلات سے اس امر کے بھی مدعی ہوتے ہیں کہ اجماع اُنکے ساتھ ہے۔

جب حالت یہ ہے تو پوچھیئے اپنے دل سے کہ اس کا فیصلہ کس طرح سے کیا جائے کہ کون سا مسلک اطاعتِ خدا و رسول کے مطابق ہے یہاں پہنچ کر ایک مرتبہ پھر یہ سمجھ لیجئے کہ آپ یہ کہہ کر اپنے آپ کو اطمینان نہ دے لیں کہ جس مسلک سے آپ متمسک ہیں، وہی مسلک درست ہے اور اس لیئے درست ہے کہ آپ کو آباؤ اجداد سے وراثت میں ملا ہے، کیا وہی بصیرت جس پر قرآن کریم نے دعوت الی اللہ کی بنیاد رکھی تھی اُس کا تقاضا نہیں کہ آپ علم و ایقان کے ساتھ مطمئن ہو جائیں کہ وہ کون سی راہ تھی جو نبی اکرم امت کو دیکر گئے تھے اگر آپ اس قسم کے اطمینان کی ضرورت سمجھتے ہیں تو پھر سلسلۂ سخن یوں آگے بڑھے گا کہ یہ معلوم کیسے ہو کہ وہ راہ کون سی تھی اور گاڑی کہاں سے اپنی صحیح پٹڑی چھوڑ کر دوسرے رخ پر چل پڑی تھی۔

ایک چیز تو مسلمانوں میں آج بھی ایسی موجود ہے جسکے متفق علیہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں، اور وہ ہے قرآن کریم، ہر مسلمان اس کا قائل ہے، غیر مسلم قائل ہیں، خود خدا اسکا شاہد ہے کہ قرآن کریم حرفاً حرفاً وہی ہے جو نبی اکرم کی وساطت سے اُمت کو ملا تھا۔ اور یہ وہی قرآن کریم ہے جو "اطاعت خدا و رسول" کے دعوے کو پرکھنے کے لیئے ہمارے مختلف فرقوں کے پاس موجود ہوتا ہے۔ لیکن جب اس کے باوجود ہمارے اختلافات نہیں مٹتے تو معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے ساتھ کسی اور چیز کا ہونا بھی ضروری ہے، جس کی مدد سے اُمت کو وہ راستہ مل سکتا ہے، جو انکے لیئے قرآن کریم متعین کرتا ہے اور جسے نبی اکرم قرآن کریم کے ساتھ چھوڑ کر تشریف لے گئے تھے، اور جو آج موجود نہیں ہے اور جسکے فقدان سے ہماری حالت یہ ہو رہی ہے۔

وہ چیز کیا تھی؟ بس یہی گم گشتہ کڑی جسکے ملجانے سے یہ بکھری ہوئی زنجیر پھر سے حبل المتین بن جائے گی۔

یہ گم گشتہ کڑی ہے وہ جماعت جسے نبی اکرم مرتب فرما کر تشریف لے گئے تھے، جو کتاب اللہ کی

وارث تھی جو قوانین الٰہیہ کو اس دُنیا میں نافذ کرنے والی تھی۔ جو کنتم خیر امۃ کی مخاطب تھی۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر جسکا فریضہ تھا، جسے اُمۃ وسطیٰ کا لقب دیا گیا تھا، جسکے تمکن فی الارض سے دین کا قیام تھا، یہ وہ جماعت تھی جو چلتی پھرتی قرآن تھی جیتی جاگتی قرآن تھی۔ کتاب اللہ حروف و نقوش میں لکھی ہوئی تعلیم تھی، یہ جماعت اس تعلیم کی پیکرِ ناطق تھی، یہ عین مشیتِ ایزدی کے ماتحت خود رسالتمآب کے مقدس ہاتھوں سے تیار ہوئی تھی، اور تیار اس لیے کی گئی تھی کہ دُنیا کو بتا دیا جائے کہ معراج انسانیت کا مظہر اتم اسے کہتے ہیں، بابِ نبوت کو اس لیے بند کر دیا گیا تھا کہ خدا کا آخری پیغام۔ اپنی مکمل اور محفوظ شکل میں، دنیا کے پاس موجود تھا اور اس پیغام کی حامل ایک ایسی جماعت تھی جو ہر مشکل مقام پر اس نورِ مبین کی روشنی میں نوعِ انسانی کی راہ نمائی کر سکے اس جماعت میں جو اتقیٰ (سب سے زیادہ متقی) ہوتا تھا وہ اکرمؐ (سب سے زیادہ قابل عزت) ہونے کی حیثیت سے احکام مرکز ہوتا تھا امرھم شوریٰ بینھم (اُن کے معاملات باہمی مشوروں سے طے پائیں گے) کے ماتحت اس جماعت کے منتخب افراد اس مرکز کے اعیان و ارکان ہوتے تھے، اور اس نظام کے ماتحت یہ مرکز اس امر کا فیصلہ کرتا تھا کہ "خدا و رسول کی اطاعت" کسے کہتے ہیں۔ چونکہ مرکز ایک تھا۔ اس لیے اسکا فیصلہ بھی ایک ہوتا تھا، لہذا دین اکملین کی حامل جماعت ایک تھی جماعت کا مسلک ایک تہا۔

زیادہ وضاحت سے اسے یوں سمجھئے کہ مسلمانوں کے لئے خدا کے سوا کسی اور کی اطاعت جائز نہیں (ان الحکم الا للہ۔ حکومت صرف اللہ ہی کے لئے ہے) لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ ہر شخص سے براہِ راست باتیں نہیں کرتا، اس لئے یہ بتانے کیلئے کہ اللہ کی اطاعت کسطرح کی جاتی ہے اُسنے رسول اکرمؐ کی وساطت سے اپنی کتاب نازل فرمادی۔ لہذا کتاب اللہ کی اطاعت عین اطاعتِ خدا ہوگئی (اتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَاءَ ؕ جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اُس کی پیروی کرو اور اُسکے سوا کسی کو کارساز اطاعت نہ کرو) لیکن کتاب پھر ایک حد تک غیر محسوس راہِ ہدایت ہوتی ہے اس لئے

ثم اورثنا الکتاب الذین　　پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو

اصطفینا من عبادنا ۳۵/۳۲　　ہم نے اس مقصد کے لئے منتخب کرلیا۔

اطاعتِ خداوندی کے مفہوم کو محسوس شکل میں پیش کرنے کے لیے رسول کی وساطت سے کتاب بھیجی جاتی ہے جو اپنے اعمالِ طیبہ سے دکھاتا ہے کہ اطاعتِ کتاب یعنی اطاعتِ خدا کا صحیح مفہوم کیا ہے لہٰذا رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہو جاتی ہے (من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ) جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی، رسول اللہؐ کے بعد کتاب تو موجود رہی۔ لیکن کتاب کی تعلیم کو محسوس و مرئی شکل میں پیش کرنے والا کون تھا؟ یہ تھے خلیفۃ الرسول (رسول کے جانشینؓ) خدا اور رسول کی اطاعت اب خلیفۃ الرسول کی اطاعت میں منتقل ہو گئی، مرکزِ ملت کی اطاعت ہو گئی، نبی اکرمؐ کی تشریف بری کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کے فیصلوں کی اطاعت، خدا اور رسول کی اطاعت تھی۔ اور ان سے انحراف خدا اور رسول کی اطاعت سے انحراف تھا۔ یہ تھا صحیح مفہوم "اطاعت خدا اور رسولؐ" کا کہ جس مفہوم کے بعد کسی تفرقہ اندازی، افتراق انگیزی کی گنجائش نہ تھی، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں جب مسلمانوں کے ایک قبیلے نے زکوٰۃ کے مسلک میں مرکز کے مسلک سے اختلاف کیا تو آپ نے انکے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا، اور صحابہ کبارؓ نے اس فیصلہ کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کی طرح کی۔ جب تک یہ شکل قایم رہی خدا اور رسول کی صحیح اطاعت ہوتی رہی، دین کی وحدت قایم رہی، جماعت کی یک جہتی قایم رہی لیکن یہ دَورِ سعادت جلد ختم ہو گیا، خلافت ملوکیت میں بدل گئی۔ حکومت نے اپنا فریضہ انتظامِ سلطنت سمجھ لیا حالانکہ سلطنت ان کو ملی ہی اس لیے تھی کہ وہ قوانینِ الٰہیہ نفاذ کرتے رہیں اور یوں خدا اور رسول کی اطاعت کا سلسلہ آگے بڑھاتے رہیں، شروع شروع میں تو اتنا ہوا کہ اُمورِ سلطنت کے متعلق معاملات حکومت نے اپنے ہاتھ میں رکھے لیکن امورِ دین کے متعلق معاملات افراد پر چھوڑ دیئے۔ یہ وہ منحوس دن تھا جب سب سے پہلے اسلام میں دین اور دُنیا (Church and State) کی تفریق شروع ہوئی، جب اجتماعیت کی جگہ یوں انفرادیت آگئی تو اطاعتِ خدا اور رسولؐ کا مفہوم بھی بدل گیا، ایک نے کسی معاملہ کو ایک طرح سمجھا اُسنے اسی کو اطاعتِ خدا اور رسول قرار دے دیا۔ دوسرے نے اس سے مختلف سمجھا، وہ بھی اطاعت خدا اور رسول سمجھا گیا۔ کچھ لوگ اِسکے ہم خیال ہو گئے کچھ اُسکے، یوں فرقہ بندی کی ابتدا ہوئی، جب تک سلطنت باقی تھی۔ اُمورِ دُنیا کے متعلق ہی سہی۔ کچھ نہ کچھ اجتماعیت کی شکل باقی تھی۔ جب سلطنت مٹ گئی تو

پوری سہی اجتماعیت بھی ختم ہوگئی۔ اب ہر شئے میں انفرادیت آگئی اور یوں خدا و رسول کی اطاعت کا مفہوم مختلف دماغوں کے قالب میں ڈھل کر مختلف شکلیں اختیار کر گیا۔ مرکز ٹوٹا، جماعت منتشر ہوگئی، دین افراد کی آراء کے تابع چلنے لگا، اور کثرتِ تعبیرت خوابِ پریشاں تر ہوتا چلا گیا۔ جب تک مرکز قائم تھا اور صحیح شکل میں قائم تھا تو وہی ایک ٹکسال تھی جہاں کے مضروب سکہ کا چلن بازار میں ہوتا تھا۔ وہ ٹکسال ٹوٹ گئی تو گھر گھر ٹکسال بن گئی اور ہر ٹکسال والوں کا یہ دعوے ہوگیا کہ ہمارا سکہ اصلی ہے، دوسروں کا جعلی ہے۔ یہ کام مرکز کا تھا کہ وہ متعین کرے کہ قرآن کریم کی فلاں آیت کی تفسیر کیا ہے، حدیث کون سی صحیح ہے اور کون سی ضعیف، فقہ کا فلاں مسئلہ کس وقت تک نافذ العمل رہے گا، یہی وجہ ہے کہ اُس دورِ سعادت میں نہ کوئی تفسیر لکھی گئی، نہ احادیث کے مجموعے مرتب ہوئے۔ نہ فقہ کی تدوین ہوئی، جب مرکزیت ٹوٹ گئی یا اپنے فریضۂ الٰہی سے غافل ہوگئی تو امت پریشان تھی کہ اب کس طرح معلوم کرے کہ فلاں معاملہ میں ارشادِ خداوندی کا منشاء کیا ہے اور اس منشاءِ ایزدی پر عمل کس طرح سے ہوگا۔ اس ضرورت کے ماتحت انفرادی طور پر قرآن کریم کی تفاسیر لکھی گئیں، احادیث کے صحیح و ضعیف ہونے کے معیار تجویز ہوئے، فقہی مسائل کی ترجیح و تنسیخ کے متعلق بحثیں چھڑ گئیں، خدانخواستہ ہمارا مقصد اس سے یہ نہیں کہ ان حضرات نے فرقہ بندی کے خیال سے ایسا کیا۔ نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ جماعت کے انتشار اور مرکز کے فنا ہو جانے کے بعد جب انفرادیت آگئی تو اس انفرادیت کا فطری نتیجہ یہی ہونا چاہیئے تھا۔ اس میں کسی کی نیت کا کوئی دخل نہ تھا، نیتیں کتنی ہی نیک ہوں۔ مقاصد کتنے ہی پاکیزہ ہوں، وحدتِ مرکز کے ٹوٹ جانے سے اطاعت خدا و رسول کے یہ مختلف مفہوم پیدا ہو جانے ضروری تھے، کتاب اللہ موجود تھی، سیرتِ مقدسہؐ کے آثار و نظائر بھی موجود تھے۔ لیکن وہ جماعت اور جماعت کا وہ مرکز موجود نہ تھا۔ جو کتاب و سنت کی روشنی میں فیصلہ کیا کرتا تھا کہ فلاں معاملہ میں مسلمانوں کے لیئے خدا اور رسول کی اطاعت کس طرح ہوگی یا فلاں اختلافی مسئلہ میں نقطۂ اعتدال کون سا ہے، جب وہاں سے فیصلہ مل جاتا تو کسی شخص کو یہ حق نہ رہتا کہ وہ اپنے طور پر جس طرح جی چاہے "خدا و رسول کی اطاعت" کرے رہتے کہ اس باب میں وہ اس قدر محتاط ہوتے تھے کہ اپنی زبان سے ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکالتے تھے جو اُس مفہومِ اطاعت

کے خلاف ہے جو مرکز نے متعین کیا ہے۔ حضرت امام اعظمؒ کی عظمت سے کون واقف نہیں اور فقہی امور میں ان کے اجتہاد سے کسے انکار ہے۔ لیکن حالت یہ تھی کہ چونکہ شہر میں مفتی ایک اور صاحب تھے جو سلطنت کی طرف سے متعین تھے۔ اس لئے لوگ انفرادی طور پر بھی دریافت کرتے تو آپ کبھی فتوے نہ دیتے۔ حتیٰ کہ ایک دن گھر میں بیٹھے تھے، لڑکی نے پوچھا کہ ابا جان میں روزہ سے ہوں اور دانتوں سے خون نکل کر حلق میں چلا گیا ہے، روزہ ٹوٹ گیا یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ "بیٹا! میں نہیں بتانا چاہتا، کیونکہ میں گورنر کی طرف سے فتوے دینے کا مجاز نہیں ٹھیرا گیا"۔ لیکن امام کے نہ رہنے سے جو حالت پیدا ہو گئی اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجئے کہ آج کوئی بھی اپنے آپ کو "امام اعظم" سے کم نہیں سمجھتا۔ اس مرکزِ ثقل کے نہ ہونے سے تمام ورق منتشر ہو رہے ہیں، اس شیرازہ کے ٹوٹ جانے سے کتابِ ملتِ بیضا کے تمام اوراق بکھرے پڑے ہیں۔ قرآن کریم، احادیث مقدسہ، فقہ، تفسیر، تاریخ کی تمام کتابیں موجود ہیں لیکن امت کا ایک ادنیٰ سا اختلاف بھی نہیں مٹ سکا، اس لئے کہ اگر صرف کتابوں سے فیصلے متعین ہو جایا کرتے تو کتابوں کے احکام کو نافذ کرنے والے رسولوں کی ضرورت ہی نہ تھی، کتاب کے ساتھ رسول بھیجنے کی ضرورت خود اس پر دلالت کرتی ہے کہ جب تک کتاب نافذ العمل ہے اس وقت تک رسولؐ کے جانشین کی بھی ضرورت ہے، اور چونکہ قرآن کریم قیامت تک کے لئے نافذ العمل ہے اس لئے قیامت تک کے لئے رسولؐ کے جانشین یعنی مرکزِ ملت، امامِ قوم کی ضرورت ہے، کوئی زمانہ اس سے خالی نہیں رہ سکتا۔ قرنِ اولیٰ میں "خلافتِ رسولؐ" کا جیتا جاگتا تصور اس درخشندگی اور تابناکی سے نگاہوں کے سامنے تھا کہ ہر چند مرکز کو گم ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں لیکن اس کے دھندلے نقوش ابھی تک دلوں میں باقی ہیں، نماز کا امام ابھی تک "جانشینِ رسولؐ" کہلاتا ہے خطبہ کے منبر کو ابھی تک "منبرِ رسولؐ" کہتے ہیں، کل تک ترکوں کی ملوکیت اپنی مسخ شدہ صورت میں بھی "خلافت" ہی کہلاتی تھی لیکن چونکہ یہ صرف الفاظ تھے جو ایک مدت سے اپنے اصلی معنی کھو چکے تھے۔ لاشیں تھیں جن سے ایک عرصہ ہوا روحیں پرواز کر چکی تھیں اس لئے مضطرب قلوب کو ان میں کہیں سکونِ طمانیت کے سامان نہیں ملتے تھے۔ اس صحیح نظام کے نگاہوں سے اوجھل ہو جانے سے مسلمان اسلام کے مستقبل سے کس طرح مایوس ہونے شروع ہو گئے، اس کا اندازہ آپ کو بہائیت اور مرزائیت کی

تحریکوں سے لگ سکتا ہے ایک نے یہ اعلان کر دیا کہ قرآنِ کریم قیامت تک کے لیے نافذ العمل نہیں ہو سکتا کیونکہ اب وہ (نعوذ باللہ) ایک ایسا درخت ہو چکا ہے جو مزید پھل نہیں دے سکتا۔ دوسرے نے دعوےٰ کر دیا کہ نبوتِ محمدیہ قیامت تک کے لیے جاری نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ اس سراجِ منیر کی روشنی (نعوذ باللہ) اب ایک اور قندیل کی محتاج ہو چکی ہے، آپ کبھی تصور میں بھی لا سکتے ہیں، اگر یہ آواز اس عہدِ سعادت میں جس میں صحیح اسلامی نظام قائم تھا کہیں تحت الثریٰ کے نیچے سے بھی پیدا ہوتی تو مسلمان اس کو برداشت کر لیتا؟ اس لیے نہیں کہ انکا "تعصب" (نعوذ باللہ) انہیں اجازت نہ دیتا کہ وہ اسے سن لیں، بلکہ اس لیے کہ وہ شجرِ طیب جسکی جڑیں قلبِ زمین سے نم کش تھیں اور جس کی شاخیں آسمان کو چھو رہی تھیں، جس کا مبارک بیج عالمِ ملکوت سے آیا تھا اور جو اس ذاتِ گرامیؐ کے مقدس ہاتھوں سے لگایا گیا تھا جو وجہ شادابی کائنات ہے اور جسے قدسیوں کی اس جماعت نے اپنے خون سے سینچا تھا، جنکے گھوڑوں کی سموں کی گرد کو خدائے بزرگ و برتر انسانیت کی چشمِ بصیرت کے لیے شہادتِ ایقانی کا نورانی سرمہ قرار دیتا ہے وہ مبارک درخت جو انہیں جھولیاں بھر بھر کر تر و تازہ پھل دیتا تھا، ایسے پھل کہ جن سے وہ قوت پیدا ہوتی تھی، جس سے زمانے کی تقدیریں ان کے ہاتھ میں آگئی تھیں، وہ کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا تصور کر سکتے تھے کہ یہ مقدس درخت کبھی خشک بھی ہو سکتا ہے؟ آج مسلمان کے سامنے چونکہ وہ نظام موجود نہیں، جو یہ بتاتا کہ پیغامِ قرآنی اور نبوتِ محمدیؐ کس طرح ابدیت سے ہمکنار ہے، اس لیے وہ ان راہ گم کردہ لوگوں کو لفظی مناظروں اور نظری مباحثوں سے قائل کرنا چاہتا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ جس طرح اُن سے پہلے اور اختلافات نہیں مٹ سکے، یہ اختلافات بھی بڑھتے جاتے ہیں ان کو بھی چھوڑیے آج دوسرے مسلمان جو کبھی اس دروازے پر جھولی پھیلائے نظر آتے ہیں، کبھی اُس سنگِ آستان پر جبہ سائی کرتے۔ آج ایک کی اقتدا میں فلاح و بہبود کا راز مضمر سمجھتے ہیں۔ کل دوسرے کی۔ یہ سب مسلمان وہ ہیں جو گو زبان سے اقرار نہ کریں لیکن دل سے اسلام کے مستقبل سے (معاذ اللہ) مایوس ہو چکے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کو وہی کچھ سمجھے ہوئے ہیں، جیسا کچھ وہ انہیں اس دورِ تشتت و افتراق میں دکھائی دیتا ہے ان کی نگاہوں کے سامنے اسلام کا صحیح نظامِ اجتماعیت اور مرکزیت اجاگر ہو جائے، تو پھر دیکھیے کہ یہ مایوسیاں

کس طرح اُمیدوں میں بدل جاتی ہیں۔ اور تذبذب کس طرح ایمانِ محکم کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ یہ نظام اِس درجہ نگاہوں سے اوجھل ہو چکا ہے کہ سرسری نگاہ سے سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا۔ پھر اگر کوئی سمجھتا ہے تو "ستر نہیں" کا گروہ اُس کی مخالفت شروع کر دیتا ہے کوئی سمجھتا بھی ہے، تو چونکہ اس کو فوراً عمل میں لانے کے لئے راستے میں مشکلات دیکھتا ہے اِس لیے اس کی تن آسانیاں اُسے پھر آرام طلبی کے راستے کی طرف دھکیل دیتی ہیں۔ غرضیکہ مسلمان ایک ایسے گرداب میں کھڑا ہوا ہے کہ ہزار ہاتھ پاؤں مارے وہاں سے باہر نہیں نکل سکتا۔ ان مصائب سے نجات کا صرف ایک راستہ ہے کہ بلا خوف لائمۃ لائم، قرآن کریم کے اس اسلامی نظام کو، اطاعتِ خدا و رسول کے اس صحیح مفہوم کو مسلمانوں کے سامنے بے نقاب کر دیا جائے اس شدت اور تکرار سے اُسے بار بار سامنے لایا جائے کہ اُس کی کہربائی شعاعوں سے انفرادیت کے سڑانی جراثیم فنا ہو جائیں۔ اور جن حضرات کے سامنے یہ تصور اپنی صحیح شکل میں آ جائے، وہ اسکے عملی قیام میں تمام مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے جائیں، پھر دیکھیں کہ اللہ کی نصرت کس طرح انکے شاملِ حال ہوتی ہے۔ یہ نظام قائم ہو جائے تو پھر دیکھئے کہ کس طرح یہ بات بہائیوں اور مرزائیوں کی سمجھ میں خود بخود آ جاتی ہے کہ واقعی پیامِ خداوندی اور نبوتِ محمدیؐ قیامت تک کے لیے زندہ تر دہیں، پھر دیکھئے کہ مارکس اور لینن کس طرح اس نظریہ کو بغیر سمجھائے سمجھ لیتے ہیں کہ ایمان کی بنیادوں پر قائم شدہ مساوات۔ روٹی کی مساوات سے کس درجہ بلند و بالاتر ہے۔ پھر دیکھئے کہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر "عالمگیر سچائیاں" ماننے والے کس طرح اِس سچائی کے قائل ہوتے ہیں کہ سچائیاں اب صرف قرآنِ کریم کے ہی اندر ہیں۔ پھر سمجھ میں آ جائے گا کہ نوعِ انسانی کی نجات و سعادت کیوں اُنہی اعمال کے اندر پوشیدہ ہے۔ جو شریعت محمدیہ نے متعین کئے ہیں۔ پھر معلوم ہوگا کہ اعمال کے نماحہ ہونے کے لئے کیوں اُس قسم کے ایمان کی ضرورت ہے جو کتاب اللہ نے تجویز کیا ہے۔ یہ وہ نظام ہوگا جو اسلام کی حقانیت کی زندہ دلیل ہوگا۔ اور یہ وہ جماعت ہوگی جس کا وجود خدا کی ہستی کی بُرہانِ نیرہ ہوگی۔ اُسوقت سمجھ میں آ جائے گا کہ حضرت علامہؒ نے یہ کیوں کہا تھا کہ۔

انا الحق جز مقامِ کبریا نیست | سزائے او چلیپا ہست یا نیست؟
اگر فرد بے بگوید، سرزنش بہ | اگر قومے بگوید، ناروا نیست

اب یہ حقیقت ہمارے سامنے آگئی کہ دین کی وحدت کس طرح سے عمل میں آئی تھی۔ اور کس طرح اُسے قائم رہنا تھا۔ لہٰذا اگر ہم آج بھی چاہیں کہ وہ متاعِ گم گشتہ ہمیں پھر سے مل جائے، وہ ٹوٹی ہوئی لڑیں دوبارہ جڑ جائیں، وہ مٹی ہوئی شکلیں پھر لوٹ آئیں، تو اُس کے لیے نظری بحثیں اور لفظی مناظرے کوئی کام نہ دینگے۔ ہم جہاں سے بھولے تھے اور بھول کر اصل راستہ چھوڑا تھا، پھر وہیں پہنچنا ہوگا (کہ توبہ کے یہی معنی ہیں) اور وہاں سے پھر وہی راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ جو سیدھا راستہ تھا جو صراطِ مستقیم تھا۔ اگر آپ چاہیں کہ جس غلط راستے پر ایک دفعہ چل نکلے ہیں، کوئی صورت ایسی پیدا ہو جائے کہ اُسی پہ چلتے جائیں اور منزل پر پہنچ جائیں تو یہ ذہنی فریب ہے، دھوکا ہے۔ جھوٹا ارمان ہے۔ غلط اقدام ہے آپ چلتے ضرور رہیں گے لیکن ہر قدم آپ کو منزل سے دُور لے جائے گا۔ اولٰئک حبطت اعمالھم ایسے ہی مقامات کے لیے آیا ہے۔ کہ کام کیا جاتا ہے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ قدم اُٹھتے ہیں لیکن مسافت طے نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس طویل مدت میں جو کچھ ہو چکا اُسے بھول جایئے، گاڑی کو پھر وہیں لے جایئے، جہاں سے اس کا کانٹا بدل گیا تھا اور یہ دوسری پٹڑی پر چل نکلی تھی، وہاں پہنچ کر آپ کو معلوم ہوگا کہ سیدھا راستہ کونسا ہے۔ قرآن کریم تو آپ کے پاس محفوظ و مصئون شکل میں موجود ہے۔ دوسری چیز اُس کے ساتھ جماعت اور جماعت میں نصبِ امامت، قیامِ مرکزیت کی ہے۔ وہ پیدا ہو جائے، تو تمہاری خاک کے ذروں میں نمودِ حیات محسوس ہونے لگے۔ یہ اُجڑے ہوئے کاشانے پھر سے آباد ہو جائیں، بھولے ہوئے مسافر پھر سے منزل کی طرف رُخ کر لیں، پھر سے ہماری نمازیں اور ہمارے روزے، ہمارے حج اور ہماری زکوٰۃ اللہ کے لیے ہو جائیں، اور پھر اُن سے وہ نتائج پیدا ہونے لگ جائیں جو قرنِ اُولیٰ میں پیدا ہوا کرتے تھے۔ یاد رکھیے ایمان اور اعمالِ صالحہ اگر صحیح اسلامی نظام کے ماتحت وجود پذیر ہوں تو ان کا فطری نتیجہ قوت اور اقتدار ہے، جس سے تمکن فی الارض حاصل ہوتا ہے اور یہی تمکن اس جماعتِ الٰہیہ کے استحکام و استقرار کا موجب اور اُس کے مرکزی فیصلوں کی تنفیذ کا ذریعہ بنتا ہے۔ آپ شاید کہہ دیں کہ آج جب کہ ملتِ اسلامیہ میں اس قدر اختلافات پیدا ہو چکے

ہیں۔ وہ جماعت اور اس کا مرکز کس طرح سے فیصلہ کرے گا کہ وہ دین حقیقی کون سا تھا جو نبی اکرمؐ امت کو دیکر گئے تھے لیکن یہ مشکل صرف آج حوصلہ شکن نظر آتی ہے، جماعت کا وجود عمل میں آجائے تو یہ مشکل، مشکل رہتی ہی نہیں۔ اندھیرے کی تو فطرت ہے کہ چراغ آجائے تو وہ خود بخود مٹ جائے۔ دین کی بنیاد قرآن پر ہے اور وہ ہمارے پاس موجود ہے، فروعات کی ترتیب کے لئے ایک عظیم القدر علمی سرمایہ ہمارے پاس وراثتاً چلا آرہا ہے۔ جس سے اگر استشاراً فائدہ اُٹھایا جائے تو اس میں بہت سی کام کی چیزیں مل جائیں گی۔ آج اس ڈھیر سے غث وثمین کا الگ کرنا دشوار ہے۔ کہ الگ کرنے والے پہلے ہی ایک خاص چشمہ لگا کر تلاش شروع کرتے ہیں، جب جماعت روحِ قرآنی سے واقف ہوجائے تو اُسکے لیے ڈھیر سے کام کی چیزوں کا چن لینا دشوار نہیں ہوتا تفسیرِ قرآن۔ تعدیلِ احادیث۔ تدوینِ فقہ اس جماعت کا کام ہوگا نہ کہ افراد کا، اس جماعت کے فیصلے مرکزِ ملت کی مُہر سے مصدق ہوکر نافذ ہونگے جو اُمت کے لیے واجب العمل ہونگے اور اُن کی اطاعت "خدا اور رسول کی اطاعت" ہوگی، جن فیصلوں پر مرکز کی مہر نہ ہوگی ان کی دینی حیثیت کچھ نہیں ہوگی۔ اس طرح تفریق۔ جو انفرادیت کے شجر ممنوعہ کا تلخ ترین ثمر ہے۔ مٹ جائے گی۔ اور اس کی جگہ وحدت جو اجتماعیت کے نخلِ طیب کا شیریں ہے پیدا ہو جائے گی اور وہی دین جو اللہ تعالےٰ نے نوعِ انسانی کے لئے قیامت تک باقی رہنے کے لئے پسند فرمایا تھا اپنی عملی شکل میں رائج ہو جائے گا۔ اور لیظہرہ علی الدین کلہ کہ تمام ادیان پر غلبہ کی بشارت کے ماتحت تمام کائنات کو محیط ہو جائے گا کہ اسلام کا شجرِ طیب شرق وغرب کے امتیازات سے ناآشنا اور اس کا بحرِ مواج کوہ ودمن کے جغرافیائی حدود وقیود سے آزاد ہے۔

ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب نبی اکرمؐ کے تشریف لے جانے کے بعد خدا اور رسول کی اطاعت آپؐ کے جانشین (یعنی مرکزِ ملت) کی اطاعت میں منتقل ہوگئی تو کیا اس مرکزِ ملت کو یہ اختیارات حاصل ہونگے کہ وہ اپنے وقتی مصالح کے پیشِ نظر تمام معاملات میں ردّ وبدل کر سکے، یا ایسے اُمور بھی ہونگے جن میں وہ تغیر وتبدل کا مجاز نہ ہوگا؟

یہ سوال بھی اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ ہماری نگاہوں سے اسلامی نظام اوجھل ہو چکا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ حضور کے جانشین، دین کے ان معاملات میں جو ناقابل تغیر ہیں کسی قسم کے رد و بدل کرنے کا خیال تک بھی دل میں لا سکتے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے بیعت خلافت کے بعد، سب سے پہلے خطبہ میں اپنی پوزیشن کو ان الفاظ میں واضح کر دیا کہ "انی متبع لست لمبتدع" "میں تو اتباع کرنے والا ہوں نہ کہ دین کے معاملہ میں نئی نئی باتیں پیدا کرنے والا۔ اور اسی طرح بعد کے خلفائے راشدین رضؓ اپنے پیشرو خلفا کی متابعت کا اعلان کرتے رہے لیکن اس چیز کا فیصلہ کہ کن اُمور میں اتباع واجب ہے اور کن اُمور میں مرکزِ ملت تبدیلی کا مجاز ہے مرکزِ ملت ہی کر سکتا ہے نہ کہ افرادِ ملت، افراد کے لئے تو مرکز کی اطاعت ہی خدا و رسول کی اطاعت ہوگی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے جب زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف اعلان جہاد کیا تو یہی فرمایا تھا کہ جب تک ہر وہ شے جو رسول اللہ ؐ کے زمانہ میں بیت المال میں داخل کی جاتی تھی، داخل نہ کیجائیگی اسوقت تک میں جہاد سے باز نہ آؤں گا۔ چنانچہ اُسوقت اِس فیصلہ کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت تھی لیکن اس کے بعد جب حضرت عثمان رضؓ نے اجازت فرما دی کہ زکوٰۃ کا روپیہ مرکزی بیت المال میں جمع کرنے کے بجائے اپنی مقامی ضروریات کے صرف میں بھی لایا جا سکتا ہے۔ تو ہر چند یہ طریقِ عمل نبی اکرم ؐ اور حضرات شیخین کے زمانہ کے طریقِ عمل کے خلاف تھا۔ لیکن افرادِ ملت کے لئے اِس کی اطاعت بھی خدا اور رسول کی اطاعت تھی۔ اس لئے کہ جب صحیح اسلامی نظام قائم ہو۔ امامت کے بہترین منتخبہ افراد کے اجتماع سے مجلسِ مشاورت عمل میں آئی ہو۔ اور ان میں سے بہترین تقویٰ شعار مومن قانت انکا امام ہو، قرآن کریم کا خضر راہ اور نبی اکرم ؐ سے لے کر اپنے وقت تک کے تمام پیشرو خلفا کے فیصلے اُنکے سامنے ہوں تو انکے لئے اس امر کا فیصلہ کچھ مشکل نہیں ہوگا کہ کون سا مسئلہ ایسا ہے جس میں وہ کسی تغیر و تبدل کے مجاز نہیں اور کونسے ایسے امور ہیں جن میں وہ تبدیلی کر سکتے ہیں؟ آپ کو یاد ہوگا کہ نبی اکرم ؐ نے حکم دیا تھا کہ طواف کعبہ اور سعی بین الصفا والمروہ میں مسلمانوں کو اکڑ اکڑ کر چلنا چاہیئے۔ حضور کے بعد حضرت عمر رضؓ نے اس حکم کو یہ کہہ کر بدل دیا کہ وہ مصالح جنکے ماتحت وہ حکم دیا گیا تھا اب باقی نہیں رہے۔ اِس لئے اس حکم کی تعمیل بھی ضروری نہیں رہی۔ اسی طرح نبی اکرم ؐ کے عہد مبارک میں نماز جمعہ کے لئے صرف ایک اذان دی جاتی تھی،

لیکن حضرت عثمانؓ نے ایک اذان اور بڑھا دی۔ مختصراً یہ کہ جب جماعت روحِ دین سے واقف اور غوامض شریعت کی مزاج شناس ہو جائے تو وہ آسانی سے فیصلہ کر سکتی ہے کہ کہاں رُکنا ہے اور کہاں بڑھنا ہے؟ یہ فریضہ تھا مرکزِ ملت کا، لیکن جب سے اس قسم کے فیصلے افراد کے ہاتھ میں آگئے، دین کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔ اور اب باوجود ادعائے اطاعتِ خدا و رسول یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ "اطاعتِ خدا و رسول" ٹھیک ٹھیک کہاں ہو رہی ہے۔ اس کا تعین مرکزِ ملت کا کام ہوگا۔

میں جانتا ہوں کہ کورانہ تقلید کی تن آسانیاں اور سہل انگاریاں آپ کو اس طرف آنے سے باز رکھنے کی کوشش کریں گی، عقیدت مندی کا غلط مفہوم بھی عناں گیر ہوگا۔ گوناگوں وساوس کے کانٹے بھی دامن سے الجھیں گے، جمود اور تعطل کے سنگِ گراں راستہ کو روکیں گے لیکن میں آپ سے اتنی گزارش کروں گا کہ آپ ایک مرتبہ ان چیزوں سے خالی الذہن ہو کر سوچیں کہ جس افتراق و انتشار میں مسلمان آج مبتلا ہیں۔ کیا اسلام کا منشا یہی تھا؟ اگر نہیں! تو کیا آپ پر یہ فریضہ عائد نہیں ہوتا کہ اسلام کو پھر سے اُس کی اصلی شکل میں رائج کرنے کی کوشش کریں۔ آج جتنی کوششیں ہو رہی ہیں، اپنے اپنے فرقہ کو "اصل اسلام" قرار دے کر اسی فرقہ کی ترویج و اشاعت ہو رہی ہیں اور یوں مختلف فرقوں کی دیواریں مضبوط ہو کر وحدتِ اسلامی کے ٹکڑے کر رہی ہیں، یہ دیواریں گر جائیں تو دشتِ حجاز سے اُٹھے ہوئے دین کی وحدت پھر سے قائم ہو جائے۔ ان دیواروں کی تخریب سے آپ کے لئے گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ جس فرقہ سے آپ متمسک ہیں، جماعت کی تشکیل کے بعد یہ متحقق ہو جائے کہ اسی فرقہ کا مسلک اصلی اسلام ہے۔ اُس صورت میں آپ کی موجودہ روش کو مرکز کی سند حاصل ہو جائیگی۔ اور اگر وہ مسلک غلط ثابت ہو گیا تو آپ ضلالت کی راہ سے بچ کر صراطِ مستقیم پر آجائیں گے۔ وہ وقت ایسا ہوگا لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ۔ جو زندہ رکھنے کے قابل ہوگا، وہ علیٰ وجہ البصیرت رکھا جائیگا اور جو مٹا دینے کے قابل ہوگا وہ علیٰ وجہ البصیرت مٹا دیا جائے گا۔ اور کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ جس راستہ آپ چل رہے ہیں اُسے نہایت دیانتداری سے دین کا صراطِ مستقیم سمجھ رہے ہیں، حقیقت کھل جانے پر معلوم ہو کہ وہی راستہ آپ کی ہلاکت اور بربادی کے م

حقائق وعبر

(رازی)

(۱) الکفر ملّة واحدة

یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ
وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ

اے جماعت مسلمین اپنے لوگوں کے سوا کسی دوسرے کو اپنا ہمراز (دوست) نہ بناؤ، وہ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے جس بات سے تمہیں نقصان پہونچے وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ ان کی دشمنی دیکھو تو انکے منہ سے ظاہر ہو جاتی ہے لیکن جو کچھ انکے دل میں چھپا ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔

ہمارے قومیت پرست حضرات کا عروة الوثقیٰ یہ دلیل ہوتی ہے کہ ہم تمام باتوں کو بالائے طاق رکھ کر ہندی قومیت کی تعمیر میں اس لیئے منہمک ہیں کہ اس طرح انگریز ہندوستان سے نکل جائے گا اور جب ہندوستان اسکے ہاتھ سے چھن جائے گا تو اسلامی ممالک سے اسکی گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی۔ اسکے متعلق ہم شروع سے کہہ رہے ہیں کہ اول تو ہندو کسی صورت میں انگریز کو ہندوستان سے نکالنا نہیں چاہتا وہ اپنے دھن اور دولت کی چوکیداری کے لیئے اس کا یہاں رکھنا نہایت ضروری سمجھتا ہے اور اگر انگریز ہندوستان سے چلا بھی جائے تو ہندو خارجی تعلقات میں انگریز جیسی قوت سے کبھی بگاڑ پیدا نہیں کرے گا۔ ہندوستان کی متحدہ قومیت یعنی اکثریت اپنی خارجی پالیسی کو ہمیشہ انگریز کی پالیسی کے ساتھ وابستہ رکھے گی، ہمارے اس خیال کو تنگ نظری، تعصب، ٹوڈیت، رجعت پسندی اور خدا واسطے کی بدظنی پر محمول کیا جاتا تھا

اور یہ کہہ کر فریب دینے کی کوشش کی جاتی تھی کہ ہندو انگریز کا دشمن اور مسلمان کا دوست ہے لیکن اس دعوے سے ہنوز فضا کی لہریں متحرک تھیں کہ پراگ (Prague) سے پنڈت جواہر لال نہرو کا ایک بیان شائع ہو گیا جسکے دوران میں انھوں نے کہا کہ "انگلستان کے دشمن ہمارے دشمن ہیں"۔ (ٹربیون ۱۹ ستمبر) اسپرانڈیا آفس کی طرف سے پنڈت جی کا شکریہ بھی ادا کیا گیا ہے۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے ہمارے قومیت پرست مسلم حضرات کیطرف سے اس بیان کی تردید میں ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا اور وہ کہہ بھی کس طرح سکتے ہیں کہ متحدہ قومیت کے جزوِ مغلوب ہونے کی حیثیت سے انکا مسلک وہی ہوگا جو شریک غالب کا ہوگا۔ ہم پوچھتے ہیں ان حضرات سے کہ کیا اسلام بھی اس مسلک کی اجازت دیتا ہے، اگر ستوقع جنگ میں جسکے بادل یورپ کی سیاسی فضا کو یوں تاریک کئے ہوئے ہیں، کوئی اسلامی سلطنت انگلستان کے خلاف ہوئی تو کیا آپ بھی اس اسلامی حکومت کے خلاف ہونگے۔ کیا کفار سے دوستی اور مسلمانوں سے دشمنی کے بعد بھی کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا مستحق سمجھتا ہے؟ کفار سے دوستی کے متعلق کیا قرآن کریم کا ارشاد گرامی کسی کی نگاہ سے نہیں گزرا کہ: من یتولھم منکم فانہ منھم۔ ۵/۵۱ جو تم میں سے ان کی دوستی اختیار کرے گا، تو وہ انہی میں سے ہو جائے گا۔" اور ایسا کرنے والوں میں سے خدا کے اس غضب اور عتاب سے کسی کے قلب میں لرزش پیدا نہیں ہوئی، جو قرآن کریم کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شئی۔ ۳/۲۸ کہ جو ایسا کریگا اس کا اللہ سے کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا!

یہ ہیں متحدہ قومیت کے ثمرات!! یہ حضرات قرآن کریم کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور نہیں ڈرتے لیکن قرآن کریم اپنی صداقت کا اقرار خود کفار کے منہ سے کرا لیتا ہے۔ فبای حدیث بعدہٗ یومنون۔

---

(۲) وہی مرجی وری عسکری

فرعون کے خلاف جو سب سے بڑا جرم عائد کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا وَيَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ ۔ ۲۸/۴

فرعون نے ملک میں سرکشی اختیار کر رکھی ہے اور اہل ملک کو جماعتوں میں تقسیم کرکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے، اور اس طرح ایک جماعت کو کمزور بنا دیا ہے

استبداد کی حکومتوں کے پاس اپنے استحکام کے لئے سب سے زیادہ مؤثر حربہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جماعتِ مخالف کو کبھی ایک مرکز پر جمع نہیں ہونے دیتیں، ان میں پارٹی بازی، گروہ بازی کے جراثیم غیر محسوس طور پر داخل کر دیے جاتے ہیں اور ان کی اجتماعی قوت کو حوالۂ گرد باد کر دیا جاتا ہے۔ انگریز کو ہندوستان میں مسلمان سے خطرہ تھا اس لئے کہ یہی قوم ماندۂ حکومت کی لذت چشیدہ تھی، ہندو تو غلامی کا خوگر ہو چکا تھا اس لئے انگریز نے ہمیشہ بساطِ سیاست پر ایسی چالیں چلیں جن سے مسلمان ایک نقطہ پر مجتمع نہ ہو سکیں اب حکومت ہندوؤں کے ہاتھ منتقل ہو رہی ہے اور ان کے سامنے بھی وہی حکمتِ عملی ہے جو انہوں نے انگریز سے سیکھی ہے انہوں نے شروع سے ہی ایسا طریقِ عمل اختیار کر رکھا ہے کہ مسلمان ایک جماعت بنکر نہ رہیں، جو مسلمان اپنی جداگانہ تنظیم کا خیال اپنے دل میں لئے ہو، وہ ہندوؤں کے نزدیک گردن زدنی ہے چنانچہ انہوں نے اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے "متحدہ قومیت" کا نظر فریب حربہ تیار کیا ہے، ان کے پاس ابھی اتنی قوت تو نہیں کہ جو مسلمان اس دامِ فریب میں نہ آسکے اسے حوالۂ دار و رسن کر دیں لیکن وہ اسے بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے، انہوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ آزادی پسند، حریت پرست۔ صرف وہی ہو سکتا ہے جو اپنی تنظیم کے خیال کو حماقت سمجھے اور متحدہ قومیت کا جزو بنکر رہے، اپنی تنظیم کرنے والوں کو وہ ٹوڈی، رجعت پسند، سامراج پرست، آزادی کے دشمن، غلامی کے خوگر، انگریز کے کاسہ لیس اور نہ معلوم کون کون سے ذلیل القابوں سے مشہور کرتے ہیں، پھر جس طرح انگریز نے خود محکوم قوم سے کچھ لوگ اپنے ساتھ ملا رکھے تھے اسی طرح ہندو بھی اپنی اس حکمتِ عملی میں کامیاب ہو رہے ہیں اور چند مسلمانوں کو اپنے ہم نوا بنا کر بھائی کو بھائی سے لڑا رہے ہیں، ہو سکتا ہے کہ جس طرح شروع شروع میں بعض مسلمان نیک نیتی سے "برکاتِ عہدِ انگلشیہ" کے قصائد پڑھتے تھے، آج بھی کچھ مسلمان نیک نیتی سے ہی حصولِ آزادی کے دامِ ہمرنگ زمیں میں گرفتار ہوئے ہوں، لیکن قوم کے حق میں نتیجہ دونوں کا ایک ہے انھوں نے انگریز کی غلامی کی زنجیریں مضبوط کیں، یہ ہندوؤں کی غلامی کے جال

کے حلقے کس رہے ہیں، پھر جس طرح انگریز نے یہ خیال عام کر دیا تھا کہ جو لوگ اُسکے مقرب ہوں وہی انجمنوں میں معزز اور مکرم ہوتے ہیں۔ اسی طرح آج ہندوؤں نے بھی پروپیگنڈا کر رکھا ہے کہ جو ہندو قومیت کا جزو بنکے رہے، وہی باعزت اور رئیس الاحرار ہے، انگریز سے الگ رہنے والا اُسوقت معتوب اور مقہور تھا۔ ہندو سے الگ رہنے والا آج ذلیل و خوار سمجھا جاتا ہے۔

---

(۳) مسلمان کا نصب العین

کانگریس سے الگ رہ کر اپنی تنظیم کرنے والے مسلمانوں کو انگریز پرست کہا جاتا ہے، کیا ہم دریافت کرسکتے ہیں کہ حصولِ آزادی کا دعوے اور شرکتِ کانگرس لازم و ملزوم کیوں ہیں۔ کیا کسی جماعت کے لیے ہندوؤں سے الگ رہ کر حصولِ آزادی کی تمنا کرنا جرم ہے! کیا مسلمان اپنی تنظیم کرکے من حیث الجماعت ہندوؤں کے ساتھ حصولِ آزادی میں اشتراکِ عمل نہیں کرسکتے؟ مسلمان تو کرسکتے ہیں اور ہر وقت کرنے پر آمادہ ہیں، لیکن ہندو اس کو برداشت نہیں کرسکتا کہ مسلمان کسی طرح بھی منظم ہو جائیں، وہ اپنی حکومت کی عافیت اسی میں سمجھتا ہے کہ مسلمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہیں آیئے ہم بتائیں کہ حصولِ آزادی کے متعلق کتاب و سُنت کی رُو سے مسلمانوں کا مسلک کیا ہوسکتا ہے یہ وہ مسلک ہے جسکے ہم مُدعی ہیں۔ اور علیٰ وجہ البصیرت مُدعی ہیں کہ:۔

(۱) غلامی خدا کا عذاب ہے، اس کی لعنت ہے مسلمان اور غلام دو متضاد چیزیں ہیں

(۲) مسلمان کے نزدیک آزادی سے مفہوم یہ ہے کہ وہ اس حکومتِ الٰہیہ کو قایم کرے جو قرآن کریم کے ضابطۂ خداوندی نے تشکیل کی ہے۔

(۳) اگر وہ ایسی حکومت قایم نہیں کرسکتا تو وہ غلام کا غلام ہے، خواہ وہ انگریز کی دستوری ملوکیت ہو، یا ہندوستان کی جمہوریت۔

لہٰذا سیاست ہند میں مسلمانوں کے سامنے ایک اور صرف ایک نصب العین ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ ان کو یہاں اسلامی حکومت قایم کرنی ہے کم از کم ان صوبوں میں جہاں اُن کی اکثریت ہے کہ

ان کے نزدیک حکومت صرف خدا کے لئے زیبا ہے کسی انسان کو حکومت کا حق نہیں پہنچتا۔ اور خدا کی حکومت قرآن کریم کے ذریعہ سے ایسی قوم کے ہاتھوں سے نصب ہوسکتی ہے جو قرآن کریم کی وارث ہے یہ نہ ہماری حکومت ہوگی نہ کسی اور کی بلکہ حکومت صرف خدا کی ہوگی۔ اس حکومتِ خداوندی کے اندر جس قدر غیر مسلم باشندے ہونگے مسلمان خدا کا سپاہی ' انکے جان، مال عزت، مذہب ہر شے کی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا۔ اور ان کے ساتھ انسانیت کا اعلیٰ ترین سلوک کیا جائیگا۔

ہم یہ لکھ رہے ہیں اور ہماری نگاہ ان متبسم چہروں پر ہے جو اس ادعا کو "جنون" قرار دیکر ایک حقارت آمیز ہنسی سے اس کا استقبال کر رہے ہیں یہ بے شک ایک "جنون" ہے لیکن وہی جنون جسے کہیں عشق کہا گیا ہے اور کہیں اس کا نام ایمان رکھا گیا ہے۔ اس جنون کی اصل وہی جذبہ ہے جسنے کبھی کلدانیوں کی آتشِ تمرد کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو لالہ زار بنا کر دکھایا تھا۔ اور کبھی قید خانہ کی تیرہ و تار کوٹھری کو عزیزِ مصر کے قصرِ شاہی سے زیادہ راحت بخش بنایا تھا' اسکے خلاف استحقار اور استخفاف کی جس ہنسی کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے' وہ اس قبیل کی ہنسی ہے جو ان چہروں پر نمایاں ہوا کرتی ہے جن کی نگاہیں اپنے ماحول اور اسکے پیش پا افتادہ مادی اسباب و ذرائع سے آگے نہیں بڑھ سکتیں چشمِ فلک اس قسم کی ہنسی اور ہنسنے والوں کا انجام ہزاروں مرتبہ دیکھ چکی ہے۔ یہ وہی ہنسی ہے جو اسوقت پیدا ہوئی تھی، جب ایک کمزور اور شکستہ کشتی کو بسم اللہ مجریہا و مرسیہا کہکر طوفان بلاانگیز کے سپرد کیا گیا تھا اور بڑے بڑے مادی اسباب والوں کو للکارا گیا تھا کہ تمہارے سامان کسی کام نہیں آئیں گے ساحلِ مقصود پر یہی چند شکستہ تختے پہونچیں گے۔ یہ وہی ہنسی ہے جو نیل کی وادیوں میں قوم مغلوب کے ایک "بکریاں چرانے والے" کے اس الٹی میٹم پر فرعون اور ہامان کے چہروں پر نمودار ہوئی تھی۔ جس میں اسنے کہا تھا کہ یہ تمام لشکر اور اس کا ساز و سامان غرق ہو جائیگا اور اس حکومت و سلطنت کی وارث یہ بیکس و ناتواں قوم ہوگی۔ یہ وہی ہنسی ہے جو ناصریہ کی گلیوں میں چیتھڑے پہنے ہوئے، محکوم قوم کے بظاہر بے یار و مددگار انسان کے اس دعوے پر پیدا ہوئی کہ وہ زمین و آسمان کی بادشاہت قایم کرنے کے لئے آیا ہے۔ ہاں! اور یہ وہی ہنسی ہے جو دامنِ فاران کے ان جابر و اکابر کے چہرے پر زہرخند بکر

چمکی تھی، جو یہ سُنتے تھے کہ ایک نادار، یتیمؑ بادیہ نشین، قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں اپنے ان مفلوک الحال فاقہ زدہ ساتھیوں کے قدموں میں بتاتا ہے جن کی گزران کھجوروں کی گٹھلیوں پر ہوتی ہے یہی ہنسی ہے جو آج ہر اس آواز کا استقبال کرتی ہے جو یہ اعلان کرتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا نصب العین، اپنے صوبوں میں حکومتِ الٰہیہ کا قایم کرنا ہے، وہ ہنستے ہیں کہ :-

ذرۂ ناچیز و تعمیرِ بیابانے نگر

لیکن یہ ہنسی صرف انہی چہروں پر ہے جو اسلام کے مستقبل سے مایوس ہو چکے ہیں اور اس لیے کبھی خداوندانِ لنڈن کے خوانِ کرم کی زلہ چینی کرتے دکھائی دیتے ہیں اور کبھی آنند بھون کے دیوتاؤں سے بھکشا مانگتے نظر آتے ہیں، یہ وہ ہیں جنہیں نہ اپنے خدا پر بھروسہ باقی ہے نہ اُسکے آخری پیغام کے وعدوں پر، یہ وہ ہیں جو اِس حقیقت سے ناآشنا ہو چکے ہیں کہ.

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یہ وہ ہیں جن کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی کہ تین سو تیرہ نفوس پر مشتمل ایک مٹھی بھر جماعت اونٹوں کی پسلیاں اور کھجوروں کی ٹہنیاں ہاتھ میں لیکر کفارِ عرب کی متحدہ قوتوں کو ریگِ بیاباں کی طرح منتشر کر سکتی ہے، ان ہنسنے والے مسلمان حضرات سے اتنا پوچھنا چاہیے کہ جو نصب العین ہم نے پیش کیا ہے وہ صحیح اسلامی نصب العین ہے یا نہیں، اگر ہے تو کیا انہیں خدا کے اس وعدے پر بھی یقین ہے یا نہیں کہ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۵ ۵۸/۲۲ یاد رکھو کامیابی صرف خدا کی جماعت کے لیے ہے،، اور اگر اسپر بھی ان کا ایمان ہے تو پھر اس حزب اللہ کی تشکیل و تعمیر میں تمام قوتیں صرف کرنا صحیح مسلک ہوگا جو حکومتِ الٰہیہ کے نصب و قیام کا ذریعہ ہو، یا کفر و اسلام کے باہمی امتزاج سے ایک ایسی جماعت کی تخلیق جس کا تصور ہی غیر قرآنی ہے اور جس کا مطمحِ نظر ایک ایسی جمہوریت قایم کرنا ہے جس میں اکثریت بہ حیثیت غیر مسلموں کی ہوگی۔ اور اکثریت کے فیصلے ملک کا قانون بنا کرینگے، سوچیے کہ مسلمانوں کے لیے وہ کونسی راہ ہے جو خدا و رسول کی تجویز فرمودہ ہے اور وہ کون سی جو ہندوؤں نے اپنی مصلحت کی خاطر انکے لیے تجویز کر رکھی ہے۔

کیجئے ان قومیت پرست مسلم حضرات سے کہ وہ اس اسلامی نصب العین کا اعلان کردیں اور پھر دیکھیں کہ وہ شمع آزادی کے پروانے ہوتے ہوئے ہندؤں کے نزدیک "محب الوطن اور حریت پسند" قرار پاتے ہیں یا ایسے ہی ٹوڈی اور انگریز پرست" جیسے آج وہ مسلمان ہیں جو اپنی تنظیم کو مقدم سمجھتے ہیں ۔ ان فی ذالک لآیات لقوم یعقلون۔

---

(۴) سیاست مغرب

جب جاپان نے چین پر بمباری شروع کی تو انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر چیمبرلین نے ۲۱ جون ۱۹۳۸ء کو دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے کہا:-

یقین جانئے کہ اگر چین کا ملک ہم سے اتنی دور نہ ہوتا اور جو واقعات وہاں رونما ہو رہے ہیں وہ اس بُعد کی وجہ سے یوں ہماری نگاہوں سے پوشیدہ نہ ہوتے۔ تو میرا خیال ہے کہ ان ہولناک مناظر کے احساس سے ہمدردی، خوف اور نفرت کے جو جذبات ہماری قوم کے دل میں موجزن ہوتے وہ ہمیں ایک ایسی روش اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے جو ابھی تک ہمارے تصور میں نہیں آئی ...... بین الاقوامی قوانین کی رو سے ہوائی جنگ کے لئے کم از کم تین اصول ایسے ہیں جن کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے پہلے یہ کہ شہری (Civil) آبادی پر بمباری کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں قرار دیا جا سکتا دوسرے یہ کہ جن چیزوں پر بم پھینکے جائیں انکے متعلق حتمی طور پر معلوم ہو کہ وہ فوجی (حربی) شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں اور تیسرے یہ کہ اُن پر بمباری کرنے میں بھی غایت احتیاط سے کام لیا جائے"

یہ نظریہ اُسوقت پیدا ہوتا ہے جب بم پھینکنے والی قوم سے سیاسی مخالفت ہو، اور اس قوم کے خلاف نفرت پیدا کرنا اپنے لئے مفید مطلب، لیکن جب بم پھینکنے والا خود انگریز ہو اور بمباری سرحدی قبائل کی آبادی پر کیجائے۔ اور محولہ صدر بین الاقوامی قوانین کو توڑ کر تھوڑے سے عرصہ میں سات ہزار بم گرائے جا چکے ہوں (تقریر مسٹر عبدالقیوم۔ لیجسلیٹو اسمبلی، مورخہ ۱۱ ستمبر) تو کسی چیمبرلین کے سینہ میں مظلوم

سے ہمدردی اور ظالم سے نفرت کے جذبات موجزن نہیں ہوتے ۔

یہ ہے سیاستِ مغرب کا وہ اصولِ عدل و انصاف جسے آج دنیا کو جہنم زار کہا ہے ۔

---

(۵) ہاتھی کے دانت ......

(۱) پنڈت جواہرلال نہرو نے نواب محمد اسمٰعیل خاں کو اپنی چٹھی مورخہ ۳۸/۲ء میں لکھا تھا :

"آپ نے کہا ہے کہ کانگریس نے مسلم رابطۂ عومی (Mass Contact) کی تحریک کو مسلم لیگ کے خلاف چیلنج کے طور پر جاری کیا ہے میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ خیال غلط ہے"

آپنے تردید ملاحظہ فرمالی ۔ اب حقیقت ملاحظہ فرمایئے بمبئی صوبہ کانگریس کمیٹی میں مسٹر موتسانی نے ایک ریزولیوشن پیش کیا جس میں اُنہوں نے کہا :

"مسٹر جناح نے اپنی خط و کتابت میں جس ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلم لیگ کے توسط سے ہندو مسلم اتحاد کی کوشش کرنا بالکل بیکار رہے کیونکہ ہر ایسا معاہدہ جو مسلم لیگ کے نزدیک قابل قبول ہوگا یقیناً قومیت پرستی ، اور جمہوریت کے اصول کے منافی ہوگا بمبئی صوبائی کانگریس کمیٹی اُمید کرتی ہے کہ کانگریس ضلع کی گفت و شنید کے سلسلہ کو بند کر کے مسلمانوں کے عوام کو کانگریس کے حلقہ بگوش بنانے میں اپنی کوششوں کو دو چند کر دے گی" (ہندوستان ٹائمز ۔ مورخہ ۳۸/۷/۲)

اور اس پر پنڈت جی اعلان فرما رہے ہیں کہ یہ خیال باطل ہے کہ کانگریس نے مسلم رابطۂ عمومی کی تحریک کو مسلم لیگ کے علی الرغم جاری کیا ہے ، مگر پنڈت جی پر نہیں کہ جس سیاست میں خدا کا تصور نہ ہو وہاں اس قسم کے تضاد سب جائز ہیں ۔ گلہ تو ان " خدا پرستوں " پر ہے ، جو قوم کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہندو کے کسی طرز عمل کو شبہ کی نگاہ سے نہ دیکھو ۔

(ب) اسی قسم کے تضاد کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے۔

پنڈت جی نواب صاحب موصوف کو اپنی چٹھی مؤرخہ ۲۱/۳ میں تحریر فرماتے ہیں

یہ بات کسی کے لیے زیبا نہیں کہ وہ یہ کہے کہ وہ مسلمان جو کانگریس کی حمایت کرتے ہیں انہیں کانگریس کسی قسم کی مالی امداد دیتی ہے" (ہندوستان ٹائمز، مورخہ ۲۲/۳)

یہ دعوے تھا، اب اس کی حقیقت ملاحظہ فرمایئے:۔

"سٹی کانگریس کمیٹی کا ایک اجلاس زیر صدارت پنڈت بال کرشن شرما منعقد ہوا جس میں کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کا اخبار "انصاف" چونکہ کانگریس کی پالیسی یعنی مسلم رابطہ عوامی کی تحریک کی حمایت کرتا ہے، اس لیے اُسے دس روپیہ فی ہفتہ کے حساب سے مدد دی جائے"

(ہندوستان ٹائمز مورخہ ۹/۳ ۱۲)

معلوم نہیں کانگریس نے اس خبر کی اشاعت پر اس سٹی کانگریس کمیٹی کا کیا حشر کیا ہوگا؟ کہ اس قسم کے رازہائے طشت از بام کرنے کے لیے تھوڑے ہوتے ہیں!!

(۲) مذہب اور سیاست

ہم شروع سے اس حقیقت کو بے نقاب کر رہے ہیں کہ کانگریس کی منظم سازش یہ ہے کہ کسی طرح یہ بات مسلمان نوجوانوں کے ذہن نشین کرا دی جائے کہ سیاست کو مذہب سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ مذہب ہمیشہ انسانی ترقی کے راستے میں مزاحم ہوتا ہے اس لیے انسانیت کی فلاح ہر اس تحریک میں ہے جس سے مذہب کو الگ رکھا جائے، سابقہ پرچہ میں آپ مسٹر دلابھائی ڈیسائی کی تقریر کے اقتباسات ملاحظہ فرما چکے ہیں اس دفعہ دو ایک مثالیں اور دیکھئے۔ آنریبل مسٹر کے ایم منشی ہوم منسٹر حکومت بمبئی نے طلباء کے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"جس قدر رجحانات، مذہب یا زبان یا ایسے ہی چھوٹے چھوٹے مسائل کی بنا پر قوم پرستی کے خلاف پیدا ہوتے ہیں، کانگریس ان رجحانات کی مخالفت میں ایک مسلسل جدوجہد کا نام ہے، من حیث القوم ہماری کمزوری کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض

لوگوں کی طرف سے ایک واہمہ پیدا کر دیا گیا ہے کہ مذہب یا زبان کا رشتہ، قومیت کے رشتہ کی جگہ وجہِ جامعیت ہو سکتا ہے، یہ ایک بڑا مہلک دہوکا ہے، یاد رکھیئے مذہب یا زبان کا رشتہ ہمیشہ قومیت کے بلند ترین رشتہ کے ماتحت رہنا چاہیئے، یہ تصور ہی ہندوستان کو محکم اور آزاد بنا سکے گا" (نیشنل کال مورخہ ۲۰)

معلوم نہیں مسٹر منشی اس باب میں مولانا حسین احمد صاحب کے نظریۂ قومیت (قومیں اوطان سے بنتی ہیں نہ کہ مذہب سے) سے متاثر ہوئے ہیں، یا ان ہر دو حضرات کا سرچشمۂ ہدایت ایک ہی "آسمان" ہے

ڈاکٹر بی، پٹابھی، سیتا رامیا۔ کانگریس کی مجلس عاملہ کے ایک رکن نے، سودیشی نمائش مدراس کا افتتاح کرتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا۔

"ہمارا معاشرتی نظام، جو ہزاروں برس ہوئے وجود میں آیا تھا۔ اس کی رو سے افلاس کا ناطہ علم اور عظمت کے ساتھ جوڑ دیا جاتا تھا، لیکن اب زندگی کی متضاد قوتوں میں توازن پیدا ہو چکا ہے، اشتراکیت (کمیونزم) اور اشتمالیت (سوشلزم) دورِ حاضرہ کے نظریۂ حیات (ISMS) ہیں اور ہندو ازم، اور اسلام ازم، عہدِ کہن کی یادگاریں ہیں چاہیئے کہ ہم ان کی بنیادوں کا از سرِ نو امتحان کریں" (ہندوستان ٹائمز۔ مورخہ ۱۹)

ڈاکٹر سیتا رامیا صاحب۔ ہندو مذہب کے ناقص اور اساطیر الاولین ہونے کے متعلق جو جی میں آئے کہیں۔ ہمیں اس سے تعرض نہیں لیکن انہیں اس بات کا کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ دوسروں کے مذہب کے متعلق اس قسم کے خیالات کا اعلان کریں۔ انہیں کیا معلوم کہ اسلام کیا ہے؟ ہمارے قومیت پرست علماء ان تمام خرافات کو بگوشِ ہوش سنتے ہیں اور نہ معلوم کون سے مصالح گلوگیر ہو جاتے ہیں کہ ان کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہیں کہہ سکتے، دوسروں کی جرأتوں اور ان کی خاموشیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمانوں کا آزاد خیال طبقہ اسلام سے متنفر ہو چکا ہے، شعائرِ اسلامی کی علانیہ تضحیک کی جاتی ہے دینداری انکے نزدیک انتہائی حماقت اور جہالت کے مرادف قرار پا چکی ہے۔ پھر یہ بھی دیکھیئے کہ مہاتما گاندھی کے متعلق بڑے فخر و مباہات سے اعلان ہوتا ہے کہ باوجودیکہ تکان کی وجہ سے وہ بہت مضمحل

ہو رہے تھے، لیکن انھوں نے شام کی پرارتھنا کا ناغہ نہیں کیا۔" (ہندوستان ٹائمز۔ مورخہ ۹/۳۸ ۲۴) اور انھوں نے "۵ ستمبر کی صبح ہریجن آبادی میں ایک پرارتھنا استھان کا سنگِ بنیاد رکھا" (ایضاً) اور وہی ہندو جو مذہب کو ہندوستان کی آزادی کے راستے میں خطرناک چٹان قرار دیتے ہیں، انہیں ایسے کاموں پر مبارک باد کے تار بھیجتے ہیں، لیکن مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ ہزارہ پولیٹیکل کانفرنس میں جب ایک مسلم خاتون تقریر کے لیے سٹیج پر آئیں تو کسی مسلمان نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو اس پر یہ کانگریسی مسلم خاتون سخت برافروختہ ہوئیں اور کہا کہ کانگریس کے جلسوں میں نعرۂ تکبیر کے بجائے کانگریس کے نعرے لگانے چاہئیں۔

پھر اور دیکھئے، مہاتما گاندھی ہندوستان کی سیاست کو اپنے مذہب "اہنسا" سے ایک سیکنڈ کے لیے جدا کرنا نہیں چاہتے، اور سب کے نزدیک قابلِ پرستش قرار پاتے ہیں، لیکن اگر کوئی مسلمان سیاسی تحریک میں مذہب کا نام لے لیتا ہے تو ایک ہنگامہ برپا کر دیا جاتا ہے، چنانچہ ڈاکٹر اشرف صاحب، کانگریس کے شعبۂ اسلامیات کے انچارج، ایک مضمون میں لکھتے ہیں:-

> "جن طریقوں سے مسلم لیگ پروپیگنڈا کرتی ہے، ان کی بابت کم از کم اتنا وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ غیر شریفانہ اور بعض اوقات صاف طور پر ذلت آمیز اور عموماً اشتعال انگیز ہوتے ہیں۔ ان کی اپیل مذہبی اور فرقہ وارانہ تعصبات ہی تک محدود رہتی ہے اور اس کو بہت کم امن پسندی سے تعلق ہوتا ہے، اقتصادی اور سیاسی مسائل کا تذکرہ تک نہیں کیا جاتا۔ ان حالات کے ماتحت یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اگر ایک مرتبہ صدر کانگرس کو مجبوراً ان طریقوں کو "ایامِ جہالت کی سیاست" سے تعبیر کرنا پڑا۔"

(ہندوستان ٹائمز مورخہ ۸/۳۸ ۱۴)

آپ کو یاد ہے کہ صدر کانگریس نے کس موقع پر یہ عنبر افشانی فرمائی تھی؟ بجنور کے انتخاب کے موقع پر کسی شخص نے لیگ کے اُمیدوار کی حمایت میں ایک اشتہار شائع کیا تھا، جس میں مسلمانوں سے مذہب کے نام سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ ایسے اُمیدوار کے حق میں رائے دیں جو ایسی جماعت کی نمائندگی کر رہا

ہے جو خالص مسلمانوں پر مشتمل ہے نہ کہ ایسی جماعت کی جو مسلم و غیر مسلم کے امتزاج سے متحدہ قومیت کی مدعی ہے اس پر پنڈت جواہر لال نہرو اپنے غصہ کو ضبط نہ کر سکے۔ اور فرمایا کہ الیکشن جیسے خالص "سیاسی" معاملہ میں خدا کو ساتھ ملا لینا "ایام جہالت کی سیاست" ہے، پنڈت جواہر لال جیسے خدا کے منکر، دہریہ کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا کوئی تعجب انگیز بات نہ تھی لیکن ڈاکٹر محمد اشرف صاحب کو ملاحظہ فرمائیے کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوتے ہیں، مسلمانوں جیسا نام بھی رکھتے ہیں، ماشاء اللہ کانگریس کے شعبۂ اسلامیات کے معتمد بھی ہیں، لیکن "سیاست" میں خدا اور رسول کا نام اِنکے نزدیک بھی انتہائی جہالت ہے!

سچ ہے ؎

اگر شاہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پروین!

---

(۷) مَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ

قرآن کریم نے مسلمانوں کو غیر مسلموں کی دوستی سے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے، اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ جو ایسا کرے گا وہ انہی میں سے ہو جائے گا۔ ایسا کرنے والوں کا خدا کے ہاں کس طرح غیر مسلموں کی فہرست میں اندراج ہو جاتا ہے، وہ تو الگ چیز ہے، لیکن ایسے لوگوں کی ذہنیت کس طرح غیر مسلموں کے قالب میں ڈھل جاتی ہے۔ اسکے مظاہرے تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتے رہتے ہیں، کہیں ارادی طور پر، کہیں غیر ارادی طور پر، ڈاکٹر اشرف صاحب جن کا ذکر ابھی کیا جا چکا ہے، لامحالہ مسلمان ہیں، لیکن اُن کی ذہنیت کس قسم کی ہو چکی ہے، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ جب مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہیں تو اس اسلوب سے کہ اپنے آپ کو ان میں شامل نہیں کرتے بلکہ ان سے اس طرح باتیں کرتے ہیں گویا یہ کسی اور قوم کے فرد ہیں اور مسلمان کسی مختلف قوم کے افراد فرماتے ہیں کہ:-

"یہ کوئی نئی بات نہیں کہ کانگریس مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کر رہی ہے

مسلمانوں سے ہمارا میل جول اتنا ہی پرانا ہے، جتنی پرانی کانگریس ہے۔ اب سے بہت پہلے، ۱۸۸۷ء میں بدرالدین طیب جی نے مدراس میں کانگریس اجلاس کی صدارت کی، اور اس کے بعد بھی بہت سے مشہور مسلمانوں نے ہماری جماعت میں ذمہ دار عہدے لیے۔ اور مسلمانوں تک کانگریس کا پیغام پہنچانے میں ہماری مدد کی .... ہمارے کام کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ اگرچہ ابھی تک ہم نے کوئی باقاعدہ اور سنجیدہ کوشش نہیں کی، لیکن پھر بھی ہر جگہ مسلمان ہماری اس تحریک کا خیر مقدم کر رہے ہیں۔" (ہندوستان، ۱۴ اگست ۱۹۳۸ء)

یعنی جب ڈاکٹر صاحب ہم یا ہماری جماعت کہتے ہیں تو اس سے مراد مسلمان یا مسلمانوں کی جماعت نہیں ہوتی، وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ تصور کرتے ہیں، جب متحدہ قومیت کا تخیل ذہن پر مسلط ہو جائے تو اس کا فطری نتیجہ یہی ہونا چاہیئے، جس کا مظاہرہ ڈاکٹر صاحب کی ذہنیت کر رہی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے کبھی کسی ہندو کو بھی ایسا کہتے سنا ہے؟ کبھی نہیں سنا ہوگا! یہ کیوں! اس لیے کہ متحدہ قومیت نام ہی اکثریت کی قومیت کا ہے، برعکس اسکے جب کوئی اقلیت کسی متحدہ قومیت کا جزو بنتی ہے اُسے اپنے آپ کو اس کل کا جزو بنا کر اپنے جداگانہ قومی تشخص کو متحدہ قومیت کے اندر جذب کر دینا پڑتا ہے، یہ ہے تفسیر فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ کی، کہ وہ انہی میں سے ہو جاتا ہے۔ عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

---

(۸) نشۂ حکومت کی بدمستیاں

مسٹر جناح نے ایک مرتبہ کہیں یہ کہہ دیا کہ کانگریس کو نشۂ حکومت نے بدمست کر دیا ہے اور وہ عدل اور راستی کی روش کو چھوڑ رہی ہے، اسپر تمام کانگریسی رسائل و جرائد، ہندو مسلمان قومیت پرست لیڈر ان پر یوں برس پڑے، گویا انکے منہ سے کلماتِ کفر نکل گئے ہیں، لیکن جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے، مہاتما گاندھی نے اخبار "ہریجن" میں ایک مضمون شائع کیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:-

"گزشتہ اشاعت میں میں نے لکھا تھا کہ کانگریس میں تشدد زور پکڑ رہا ہے، اسکے بعد جو مراسلے

اور اطلاعیں موصول ہوئی ہیں، ان سے پایا جاتا ہے کہ واقعی اب کانگریسی لوگ راستی اور عدم تشدد چھوڑ کر تشدد پر اُتر آئے ہیں، یوں معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس کو جو تھوڑی بہت طاقت حاصل ہوئی ہے، وہ کانگریسیوں کو ہضم نہیں ہو سکی ؎ (بحوالہ انقلاب ۹/۴۸ء)

نشۂ حکومت کا فطری نتیجہ اس قسم کی سرکشی اور تمرد ہے، اور اس سے انگریز بچ سکتا ہے، نہ ہندو، اسی لیے تو قرآن کریم نے کسی انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کرنے کا حق نہیں دیا۔ اور اِنِ الحُکمُ اِلّا لِلّٰہ، کے عدیم النظیر فلسفۂ حکمت و سیاست کا اعلان فرمایا کہ :-

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے، حکمراں ہے اک وہی باقی بُتانِ آذری!

---

(۹) کانگریسی وزراء کے اخراجات

کانگریس کا دعوےٰ یہ ہے کہ غریبوں کے مصائب اور فاقہ زدوں کی مشکلات نے اسے مجبور کیا ہے کہ وہ ایک ایسا نظام حکومت قایم کرے جس کی رُو سے مُلک کا افلاس دُور ہو جائے، چنانچہ اس مقصدِ عظمےٰ کی پہلی کڑی یہ تھی کہ کانگریسی وزراء کی تنخواہ پانصد روپیہ ماہوار تک محدود کر دی گئی لیکن یو پی کونسل کے اجلاس میں بعض سوالات کے جواب میں بڑی دلچسپ حقیقتوں کا انکشاف ہوا ہے، وہاں بتایا گیا کہ کانگریسی وزیر مسٹر پنڈت کی تنخواہ تو پانچ ہی سو روپیہ ہے لیکن انکے خانگی ملازموں کا بل ان کی تنخواہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور انکے مکان کا کرایہ ۴۸۱/ روپیہ ماہوار کے حساب سے ادا کیا گیا ہے، (انقلاب مورخہ ۹/۴۸) ان تین موٹی موٹی شقوں کی میزان قریب ڈیڑھ ہزار روپیہ ماہوار ہو گئی۔ اور ابھی موٹر کا خرچ، سفر خرچ اور نہ معلوم کون کون سی مدات کے خرچ خزانۂ عامرہ سے ادا ہوتے ہیں یہ ہے نمونہ "غریبوں کی حکومت" کا، اور پھر اس وزیر کا جو ایک سوشلسٹ گھرانے کی چشم و چراغ ہیں۔

اسکے برعکس جب دُنیا میں "خدا کی حکومت" "قایم تھی"، اُس خدا کی جس کا تصور، سوشلسٹوں کے نزدیک، (نعوذ باللہ) اسلیئے پیدا کیا گیا ہے کہ اس سے سرمایہ داری کی حفاظت ہو سکے، اس میں وزیر سلطنت نہیں بلکہ صدرِ حکومت خلیفۃ المسلمین کے اخراجات کیا تھے، انکی تفصیل خود حضرت عمرؓ

کے الفاظ میں سنیئے، فرمایا:۔

اخبرکم بما یستحل لی منہ. حلتان: حلۃ فی الشتاء وحلۃ فی القیظ. وما احج علیہ واعتمر من الظہر وقوتی وقوت اھلی کقوت رجل من قریش لیس باغناھم ولا بافقرھم ثم انا بعد رجل من المسلمین یصیبنی ما اصابھم
(ابن سعد - جلد ۳ - ص ۱۹۵)

میں خود بتاتا ہوں کہ بیت المال سے مجھے کتنا لینا جائز ہے؟ دو جوڑے کپڑے، ایک جاڑے کا، اور ایک گرمی کا، ایک سواری جس پر حج اور عمرہ ادا کروں اور قریش کے ایک متوسط الحال آدمی کے اخراجاتِ طعام کے برابر اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے اخراجاتِ طعام۔ اس کے بعد میں ایک ادنےٰ مسلمان ہوں، جو انکا حال ہے وہی میرا حال ہے۔

یہ تو تھی بارِ مصارف کی تفصیل، اب احساسِ ذمہ داری ملاحظہ ہو کہ اپنے آخری وقت میں بیٹے کو بلایا اور کہا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے جس قدر مسلمانوں کے بیت المال سے اپنے اخراجات کے لئے لیا ہے اسکے بدلے اُن کی اتنی خدمت بھی کر سکا ہوں یا نہیں! چھوٹا سا مکان ذاتی ملکیت کا ہے اسے فروخت کر کے زرِ قیمت سے بیت المال کا حساب ادا کر دو تاکہ خدا کے حضور کم از کم اِس ایک بار سے تو سبکدوش ہو جاؤں!!

یہ تھی "خدا کی حکومت" حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان اپنے بنائے ہوئے قوانین و نظریات کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتا ہے، مزدور کی حکومت ہو یا سرمایہ داری، نوعِ انسانی کے لئے نتیجہ ایک ہے! تھوڑے سے وقت کے لئے ایک دھوکا ہوتا ہے جس میں کبھی انسان اپنے آپ کو مبتلا رکھتا ہے کبھی دوسروں کو، لیکن اس کی فطرت جس زندگی کی تلاش میں بے قرار ہوتی ہے، وہ اُسے کبھی نہیں مل سکتی یہ صرف اسوقت مل سکے گی، جب مزدور ہو یا سرمایہ دار، سب اپنے آپ کو خدا کے احکام کے تابع کر دینگے۔ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ، اور برضا و رغبت، بخلوصِ نیت اُس کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیں گے، یہ وہ نظامِ زندگی ہوگا، جس میں انسان صحیح معنوں میں آزادی کا سانس لے سکے گا، اور یاد رکھیے قرار و ثبات صرف اِسی ایک نظام کے لئے ہے، انسان کے وضع کردہ نظام کبھی دیرپا نہیں ہو سکتے +

گر جہاں داند حرامش را حرام! تا قیامت پختہ ماند ایں نظام!
محکمش از عدل است تسلیم و رضاست بیخ او اندر ضمیر مصطفیٰ است

ملت بے امام

(اسد ملتانی)

ہر آں ملت کہ محروم امام است — چو انبوہِ بہائم بے نظام است
امامے گیر بہرِ حفظِ آئین — کہ ملت را ز آئین انتظام است
بر آئینے است رفتارِ کواکب، — ازاں ایں کارواں گردوں خرام است
دلے پیدا کن اندر جسم ورنہ — بہ چشم و گوش تفریق دوام است
نیابی تا ز ابروئے اشارت — اگر قرباں شوی مرگِ حرام است
جماعت توسنِ تند است و سرکش — ندانم شہسوار آں کدام است
بگو آخر زمامش در کفِ کیست — گرفتم ناقۂ ما تیز گام است
نگاراں بے شمار اما نہ بینم — بتے کو دلبرِ ہر خاص و عام است
ہزار انجم نیفروزند شب را — کجا یک جلوۂ ماہِ تمام است،
بہ مسجد ہیں صلواتِ بے امامان! — "یکے در سجدہ دیگر در قیام است"
اگر در بزم شمعے نیست روشن، — دلِ پروانگان در سوزِ خام است
اگر کشتی رود بے ناخدائے، — بہ آخر زیرِ دریایش مقام است
اگر در انجمن ساقی نباشد، — چہ سود از بادہ و مینا و جام است
بر آں لشکر کہ سرلشکر ندارد، — بہ میدانِ دغا رفتن حرام است
نباشی تا غلامِ پختہ کارے — خیالِ سروری سودائے خام است
ہر آں ملت کہ آقائے ندارد — غلام است و غلام است و غلام است

بمیرم از خجالت چوں بپرسند
اسد میرِ مسلمانان کدام است

(۱۹۳۱ء میں لکھی گئی)

(کتابی سلسلہ) # معارف القرآن (سلسلہ کیلئے دیکھو طلوع اسلام بابت ماہ شعبان)

(پرویز)

اور آگے بڑھیے تو تین خداؤں کا عقیدہ آجاتا ہے۔ عیسائیوں کا باپ، بیٹا، روح القدس،

تین میں ایک، ایک میں تین کا عقیدۂ تثلیث۔ یہ عقیدہ بھی باطل ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ (۵/۷۳)

بلاشبہ ان لوگوں نے بھی کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے حالانکہ بجز ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں

یونان کے اقنوم ثلاثہ کا عقیدہ جو آریہ ورتیں آکر روح مادہ اور خدا کا عقیدہ بن گیا وہ بھی تبعاً اس میں شامل ہے حاشیہ

عرب کے بعض قبائل فرشتوں کو معبود سمجھتے تھے۔ اس کی تردید بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔

کہ فرشتوں میں یہ جرأت کہاں کہ وہ اپنے آپ کو معبود کہلائیں وہ تو خدا کے مکرم بندے ہیں اور خدا

کے احکام کی اتباع کرتے ہیں۔

وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِنْ دُونِهِ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ (۲۱/۲۹)

اور ان میں سے جو یوں کہے کہ میں خدا کے سوا معبود ہوں تو ہم اس کو سزائے جہنم دیں گے

اسی طرح ہم ظالمین کو سزا دیا کرتے ہیں

اور پھر اس الوہیت کی طرف آیئے جو انسانی عظمت و تقدس کا نقاب پہن کر عقیدت وارادت کے راستے

یوں غیر محسوس طور پر رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے کہ جب تک پھر جسم سے سارا خون نہ نکال دیا جائے

اپنی جگہ نہیں چھوڑتی۔ یہ مذہبی احبار و رہبان، علماء و مشائخ کو خدا بنا لینا ہے، حالانکہ اُن کی عبودیت

اختیار کرنیکا کہیں حکم نہ تھا۔

حاشیہ ہندؤں کے ہاں یہ عقیدہ بھی تثلیث ہی کی طرح ہے۔ یہ برہما (خدا)، پراکرتی (مادہ) اور آتما (روح)

کو قدیم مان کر ایک میں تین اور تین میں ایک کے قائل ہیں۔ مشہور فلاسفر رامانج اسی عقیدہ کا پرچارک

ہے اور یہی عقیدہ اس کے فلسفہ میں ملتا ہے۔

DOCTRINE OF QUALIFIED NON-DUALISM

مُسلمانوں کا سیاسی مسلک

(حضرت مولانا ابوالکلام آزاد)

۱۹۱۲ء میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کو کسی صاحب نے ایک خط لکھا تھا جس میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ پولٹیکل مباحث مذہب سے الگ ہونے چاہئیں اور یہ دریافت کیا تھا کہ ہندوستان میں جتنے پولٹیکل گروہ موجود ہیں، الہلال ان میں سے کس کا ساتھ دیتا ہے؟ مولانا نے اس خط کا جو جواب شرح و بسط سے لکھا تھا، اس میں سے متعلقہ اقتباسات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں، "طلوع اسلام"

"آپ فرماتے ہیں کہ پولٹیکل مباحث کو مذہبی رنگ سے الگ کر دیجیے۔ لیکن اگر الگ کر دیں تو ہمارے پاس باقی کیا رہ جاتا ہے، ہم نے تو اپنے پولٹیکل خیالات بھی مذہب ہی سے سیکھے ہیں، وہ مذہبی رنگ ہی میں نہیں بلکہ مذہب کے پیدا کیے ہوئے ہیں ہم انہیں مذہب سے کیونکر الگ کر دیں، ہمارے عقیدے میں تو ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا اور کسی تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو۔ ایک کفر صریح ہے اور پالٹکس بھی اسی میں داخل ہے۔ افسوس ہے کہ آپ حضرات نے اسلام کو کبھی بھی اس کی اصلی عظمت میں نہیں دیکھا۔ ماقدروا اللہ حق قدرہ۔ ورنہ اپنی پولٹکل پالیسی کے لیے نہ تو گورنمنٹ کے دروازے پر جھکنا پڑتا اور نہ ہندوؤں کے اقتدا کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ اس سے سب کچھ سیکھتے جس کی بدولت تمام دنیا کو آپ نے سب کچھ سکھلایا تھا۔ اسلام انسان کے لیے ایک جامع اور اکمل قانون لے کر آیا اور انسانی اعمال کا کوئی مناقشہ ایسا نہیں جس کے لیے وہ حکم نہ ہو، وہ اپنی توحید تعلیم میں نہایت غیور ہے اور کبھی پسند نہیں کرتا کہ اس کی چوکھٹ پر جھکنے والے کسی دوسرے دروازے کے سائل بنیں مسلمانوں کی اخلاقی زندگی ہو یا عملی سیاسی ہو یا معاشرتی، دینی ہو یا دنیوی حاکمانہ ہو یا محکومانہ،

اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا
أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (۹ـ۳۱)

انھوں نے اللہ سے ورے ہی۔ اپنے احبار و رہبان کو خدا بنالیا اور مسیح ابنِ مریم کو بھی۔ حالانکہ اُن کو حکم یہی دیا گیا تھا کہ وہ اسی ایک الہ کی پرستش کریں جسکے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے۔ وہ انکے شرک سے پاک ہے۔

اس قسم کا شرک چونکہ اہل کتاب نے اختیار کر رکھا تھا اس لیئے ان کو مخاطب کرکے کہا گیا کہ انبیاء، رسل، احبار و رہبان کو خدا بنا لینے کی تعلیم تو خدا کیطرف سے نہ تھی۔ آؤ تمہیں وہ سچائی بتائیں جو تمہاری تحریفات سے پہلے تمہاری آسمانی کتابوں میں موجود تھی نجران کے عیسائیوں کو جو حضورؐ نے دعوتِ مباہلہ دی تو اسکے بعد فرمایا:۔

وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۳ـ۶۱)

اور اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ یقیناً وہی زبردست حکمت والا ہے۔

اور جملہ اہل کتاب کے متعلق فرمایا:۔

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي
أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَٰهُنَا وَإِلَٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ (۲۹ـ۴۶)

اور اہل کتاب سے بہترین طریق سے بحث مجادلہ کرو۔ سوائے انکے جو ان میں سے زیادتی کریں اور یوں کہو کہ ہم اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا ہے اور اس پر بھی جو تم پر نازل ہوا تھا اور تمہارا اور ہمارا الٰہ تو ایک ہی ہے اور ہم سب اُسکے حضور جھکنے والے ہیں۔

یہ حصہ تو وہ ہے جہاں لوگوں نے محسوسات کو الٰہ بنا رکھا ہے۔ کسی نے پتھر کے بُت کی شکل میں، کسی نے گائے اور بچھڑے کی صورت میں، کسی نے اپنے انبیاء، رسل اور اوتاروں کے لباس میں۔ کسی نے احبار و رہبان کے نقاب میں۔ کسی نے رُوح اور مادہ کو قدیم تسلیم کرکے۔ کسی نے اہرمن و یزداں کی الگ الگ صفات کے اعتبار سے لیکن قرآن کریم ان سب سے ایک قدم آگے جاتا ہے اور شرک کی

وہ ہر زندگی کے لیۓ ایک اکمل ترین قانون اپنے اندر رکھتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ دُنیا کا آخری اور عالمگیر مذہب نہ ہو سکتا۔ وہ خدا کی آواز اور اُس کی تعلیم گاہ خدا کا حلقۂ درس ہے۔ جنے خدا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا وہ پھر کسی انسانی دستگیری کا محتاج نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ہر جگہ اپنے تئیں امام مبین حق الیقین، نور و کتابٌ مبین، تبیاناً لکل شئی، بصائر للناس، ہادی داعی الی السبیل، جامع احزاب و امثال، بلاغ للناس، حاوی بحر و بر اور اسی طرح کے ناموں سے یاد کیا ہے۔ اکثر موقعوں پر کہا کہ وہ ایک روشنی ہے، اور روشنی جب نکلتی ہے تو ہر طرح کی تاریکی دُور ہو جاتی ہے، خواہ مذہبی گمراہیوں کی ہو خواہ سیاسی .... ہماری پولٹیکل گمراہیاں صرف اس لیۓ ہیں کہ ہم نے قرآن کے دستِ رہنما کو اب تک اپنا ہاتھ سپرد نہیں کیا، ورنہ تاریکی کی جگہ آج ہمارے چاروں طرف روشنی ہوتی .... پس یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایسے پیرو اپنی زندگی کے ایک ضروری یعنی سیاسی اعمال کے لیۓ دوسروں کے دروازے کے سائل بنیں۔ حالانکہ خود قرآن انکے پاس ایک حکم اور ایک امام مبین ہے .... پس اگر آپ کو یہ غلطیاں پریشان کیۓ ہوئے ہے، تو افسوس ہے کہ ہم اُسے دُور نہیں کر سکتے۔ اگر ہم کو اپنے مقاصد کے بالتفصیل بیان کرنے کی مہلت نہیں ملی تو مضائقہ نہیں، وہ نہایت مختصر لفظوں میں بھی آج سنائے جا سکتے ہیں، ہم بالاختصار عرض کر دیتے ہیں کہ الہلال کا مقصدِ اصلی اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو انکے تمام اعمال و معتقدات میں صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے اور خواہ تعلیمی مسائل ہوں، خواہ تمدنی، سیاسی ہوں، خواہ اور کچھ وہ ہر جگہ مسلمانوں کو صرف مسلمان دیکھنا چاہتا ہے۔"

"آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ ہندوستان میں پولٹیکل خیالات کے تین راستے موجود ہیں۔ الہلال کس راہ پر قوم کو چلانا چاہتا ہے۔ پھر آپ نے اُن کو گنوا بھی دیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ آپ ایک چوتھی راہ بالکل بھول گئے۔ یہ تین راستے تو آج آپ کے سامنے نمودار ہوئے ہیں مگر وہ چوتھی راہ تو وہ قدیمی راہ ہے جس پر چلکر ہزاروں ہستیاں منزلِ مقصود تک پہونچ چکی ہیں۔ آسمان و زمین کے فاطر نے جس وقت انسانوں کو آنکھیں دیکھنے کے لیۓ عطا فرمائیں اُسی وقت اُسکے سامنے یہ راہ بھی کھول دی

ایک ایسی شکل بیان کرتا ہے۔ جسے کسی انسان کی آنکھ بھانپ نہیں سکتی تھی۔ اس غیر محسوس فتنے کو شرک قرار دینا صرف خدائے علیم و بصیر ہی کا کام تھا۔ وہ خدا جو دل کی گہرائیوں میں گزرنیوالے خیالات سے بھی واقف ہے۔ سُنیئے کہ یہ شرک کی کون سی غیر مرئی صورت ہے اور غور فرمایئے کہ اتنی گہرائی تک پہونچنا دین کے اکمل ہونے کی شہادت ہے یا نہیں فرمایا:۔

أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۲۵/۴۳

کیا تو نے اس کو بھی دیکھا جسنے اپنی خواہشات کو ہی اپنا الٰہ بنالیا۔ تو کیا تو اسکی نگرانی کرسکتا ہے۔

دوسری جگہ ہے:۔

أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۴۵/۲۳

کیا تو نے اس کو بھی دیکھا جسنے اپنی خواہشات کو ہی اپنا خدا بنا رکھا ہے، اور اسے اللہ نے باوجود علم کے گمراہ کردیا اور اسکے کانوں پر اور قلب پر مُہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اللہ کے بعد اس کو کون ھدایت دے سکتا ہے؟ کیا تم پھر بھی نصیحت نہ حاصل کروگے۔

اس آیت مقدسہ کو سامنے رکھیئے اور پھر کبھی آج کی تمام مہذب دُنیا پر ایک نگاہ ڈالیئے اور کبھی اپنے دل کے نرم ترین گوشوں کو ٹٹولیئے اور دیکھیئے کہ حقائق و بصائر کی کتنی دُنیا میں اس ایک ٹکڑے کے اندر پوشیدہ ہیں۔ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ ایک سے زیادہ آلہ مقرر کرلینے سے فساد پیدا ہوجاتا ہے، غور کیجیئے کہ آج جب کہ چاروں طرف خشکی اور تری میں فساد ہی فساد رونما ہورہا ہے (ظہر الفساد فی البر والبحر) اسکی وجہ یہی نہیں کہ ہر ایک قلب صنم کدہ بن رہا ہے۔ ہر فرد اور افراد کا مجموعہ۔ ہر قوم۔ اپنی اپنی خواہشات کو ہی اپنا خدا بنائے بیٹھے ہیں اور اس خدا (یعنے خواہشات و جذبات) کے تغلب و تسلط میں جائز و ناجائز کی کوئی تمیز باقی نہیں رکھتے

تھی۔ آدمؑ نے اسپر قدم رکھا اور نوحؑ نے پتھروں کی بارش میں اس کا وعظ کہا ابراہیمؑ نے اسی کی نشانی کے لیے قربانگاہ بنائی اور اسمعیلؑ نے اسکے لیے اینٹیں چنیں۔ یوسفؑ سے مصر کے قیدخانے میں جب ایک ساتھی نے پوچھا تو اسی راہ کی اُسنے رہنمائی کی اور موسےؑ جب وادی ایمن میں روشنی کے لیے بے قرار ہوا تو اسی راہ کی تجلی ایک سبز درخت کے اندر نظر آئی گلیلی کا اسرائیلی واعظ جب یروشلم کے قریب ایک پہاڑ پر چڑھا تو اس کی نظر اسی راہ پر تھی اور پھر جب خداوند سعیر سے چمکا اور فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہوا تو وہی راہ تھی جس کی طرف اُسنے دنیا کو دعوت دی۔ ۔۔۔۔۔

اور جس کی نسبت داعیٔ اسلامؑ کو حکم ہوا تھا کہ کہہ دے :-

هٰذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی ۱۲/۱۰۸

میرا راستہ یہ ہے۔ تم سب کو اللہ کیطرف بلاتا ہوں میں اور جو لوگ میرے پیرو ہیں

سب عقل وبصیرت کے ساتھ اسی دین کے راستے پر ہیں۔

الحمدللہ کہ ہم "ومن اتبعنی" کے زمرے میں داخل ہیں اور اسی لیے جناب کی قرار دی ہوئی ان مینوں انسانی راہوں کو کوئی واسطہ نہیں رکھتے بلکہ اسی چوتھی راہِ الٰہی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ یہ قرآن کی بتلائی ہوئی راہ صراط المستقیم ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان اپنے کسی عمل واعتقاد کے لیے بھی اس کتاب کے سوا کسی دوسری جماعت یا تعلیم کو اپنا رہنما بنائے۔ وہ مسلم نہیں، بلکہ شرک فی صفات اللہ کیطرح شرک فی صفات القرآن کا مجرم اور اسلیے مشرک ہے۔ والحمد للہ الذی ھدانا لھذا وماکنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ" ۷/۴۳ ۔۔۔۔۔۔۔۔

"آپ پوچھتے ہیں کہ آج کل ہندوؤں کے ڈو پولٹیکل گروہ موجود ہیں۔ ان میں سے آپ کس کے ساتھ ہیں؟ گزارش ہے کہ ہم کسی کے ساتھ نہیں بلکہ صرف خدا کے ساتھ ہیں۔ اسلام اس سے بہت ارفع واعلےٰ ہے کہ اسکے پیروؤں کو اپنی پولیٹکل پالیسی قایم کرنے کے لیے ہندوؤں کی پیروی کرنی پڑے مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی شرم انگیز سوال نہیں ہوسکتا کہ وہ دوسروں کی پولیٹکل تعلیموں کے آگے جھک کر نیا راستہ پیدا کریں۔ ان کو کسی جماعت میں شامل ہونے کی

جائز، بقول لینن. اور میکیاولی. وہ جس سے مقصد حاصل ہو جائے. ناجائز وہ جو حصول مقاصد میں مخل ہو" یہ ہیں وہ بت جنہوں نے آج اس دنیا کو جہنم زار بنا رکھا ہے، وہ بت جن کی تعمیر کسی سنگ تراش کے ہاں نہیں ہوتی بلکہ یہ خود ذہنِ انسانی کے کارخانے میں ڈھلتے ہیں. اُن کا مسکن کوئی مندر نہیں بلکہ قلبِ انسانی ہوتا ہے. مال اور اولاد کا بت. عزت وجاہ کا بت. دولت و ثروت کا بت، حکومت وسلطنت کا بت، ملک ونسب کا بت اور نہ معلوم کون کون سے لات و منات اور کون کون سے جبل وعزیٰ ہیں جو اسکے جلاد دماغ میں ہر آن ترشتے رہتے ہیں جنکے سامنے کھڑا یہ کانپتا ہے. لرزتا ہے گڑگڑاتا ہے. سجدے کرتا ہے ماتھے رگڑتا ہے. وہ بت جنکے متعلق علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:-

می تراشد فکرِ ما ہر دم خداوندے دگر
رست از یک بند تا افتاد در بندے دگر

یہ ہے شرک کی وہ خوفناک اور بھیانک گھاٹی جہاں سے پھسل کر انسان سیدھا ہلاکت اور بربادیوں کے ہولناک جہنم میں جا گرتا ہے. قرآن کریم نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو باوجود علم کے گمراہ ہو جاتے ہیں. کہ علم کا تقاضا تھا کہ وہ حق وباطل میں امتیاز کرتا لیکن جب جذبات عقل پر غالب آجائیں جب خواہشات دماغ پر قابو پالیں تو پھر علم وعقل کبھی صحیح راستہ کیطرف راہ نمائی نہیں کر سکتے ہیں وہ مقام ہے جہاں پہونچ کر انسان کے کان خطرات کی گھنٹیوں کیطرف سے بند ہو جاتے ہیں. اس کی آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں کہ وہ اپنے اعمال کے نتائج وعواقب نہیں دیکھ سکتا. اس کا قلب زنگ آلود ہو جاتا ہے. بقول برنارڈ شا "یورپ جذبات کے دھارے پر بہے چلا جا رہا ہے" اور نہیں سوچتا کہ اسکا دہانہ کون سی ہلاکتوں کا سمندر ہے" یورپ میں علم کی کیا کمی ہے لیکن سارا علم کیا اس تگ ودو میں صرف نہیں ہو رہا کہ ہمارے تغلب اور دوسروں کی ہلاکت کے لئے کون کون سے طریق سب سے زیادہ مؤثر اور سریع النفوذ ہو سکتے ہیں کیا آج نوعِ انسانی پر جو خدا کی زمین اس درجہ تنگ ہو رہی ہے تو اس کی یہی وجہ نہیں کہ علم جذبات کے تابع چل رہا ہے! انسان نے اپنی خواہشات کو ہی اپنا

ضرورت نہیں، وہ خود دُنیا کو اپنی جماعت میں شامل کرنیوالے اور اپنی راہ پر چلانے والے ہیں اور صدیوں تک چلا چکے ہیں، وہ خدا کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو ساری دُنیا اُنکے آگے کھڑی ہو جائیگی انکا خود اپنا راستہ موجود ہے، راہ کی تلاش میں کیوں اَوروں کے دروازوں پر بھٹکتے پھریں، خدا ان کو سربلند کرتا ہے تو وہ کیوں اپنے سروں کو جھکاتے ہیں، وہ خدا کی جماعت ہیں اور خدا کی غیرت (ان الغیرۃ من شان حضرۃ الربوبیۃ) اس کو کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی چوکھٹ پر جھکنے والوں کے سر غیروں کے آگے بھی جھکیں۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہٖ ویغفر ما دون ذلک لمن یشآء (۴ : ۱۱۶) ...... پس الہلال کی اور تمام چیزوں کی طرح پالٹکس میں بھی یہی دعوت ہے کہ نہ تو گورنمنٹ پر بے جا اعتماد کیجئے اور نہ ہندوؤں کے حلقۂ درس میں شریک ہوجیئے۔ صرف اس راہ پر چلیئے جو کہ اسلام کی تبلائی ہوئی صراط المستقیم ہے ....

قرآن انتظام عالم کے لیے ضروری سمجھتا ہے کہ شخصی استیلاء واقتدار کی مخالفت کرے اُس کی تعلیم یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی نہیں جو انسانوں کو محض اپنی رائے اور خواہش کے بنائے ہوئے احکام کی تعمیل پر مجبور کرنے کا حق رکھتا ہو

ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب والحکمۃ والنبوۃ ثم یقول للناس
کونوا عباداً لی من دون اللہ ۔ (۳/۷۴)

یہ حق کسی بشر کو نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ اُسے کتاب اور عقل اور حکم اور نبوت عطا کرے اور
وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میری بندگی کرو

جس چیز کا اختیار انبیاء کرام کو نہیں اس کا حق کسی دنیوی طاقت وحکومت کو بھی نہیں مل سکتا البتہ وہ ملت اور جماعت کے اندر اپنی عقل کو مخفی تبلاتا ہوا اور کہتا ہے کہ۔ ید اللہ علی الجماعۃ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ پس اسکے نزدیک وہی حکومت جائز ہو سکتی ہے جو شخصی نہ ہو بلکہ ملت اور قوم کے ہاتھ میں ہو

اسی بناء پر اُسے شورے کا حکم دیا۔

وامرھم شوریٰ بینھم (۴۲/۳۶)

اور ان کو حکم دیا کہ آپس میں شورہ کرکے تمام کام انجام دیں۔

معبود بنا رکھا ہے! ان بتوں کو توڑ دیجیے اور انسان کے علم کو ایک الٰہ حقیقی ۔ اس خدائے رب العلمین کی رضا جوئی کے ماتحت جہانبانی کرنے دیجیے پھر دیکھیے یہی دوزخ جنت میں تبدیل ہوجاتا ہے یا نہیں۔ علم کو اسوقت بھی اجازت ہوگی کہ وہ توپ اور بارود بنانے کی تراکیب سوچے لیکن توپ بنجانے کے بعد اس بات کی اجازت علم و عقل کو نہ ہوگی کہ اسکا رخ بھی اپنی مصلحتوں کے ماتحت متعین کرسکیں یہ چیز کوئی اور متعین کریگا کہ اس توپ کے گولے کی زد کہاں پڑنی چاہیئے یہ ظالم کا ظلم روکنے کے لیے استعمال کی جائیگی یا اسکا نشانہ کمزور وضعیف کا سینہ ہوگا محض اس جرم کی بنا پر کہ وہ کمزور کیوں ہے! اسکا فیصلہ توپ بنانے والا نہیں کریگا۔ بلکہ کوئی اور قوت کرے گی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہونچ کر وحی کی ضرورت پڑتی ہے جہاں انسان آسمانی ہدایت کا محتاج ہوتا ہے جب انسان اپنے علم کے ماحصل کو خدا کے قوانین کے سپرد کردیگا تو پھر یہی علم جو آج یوں انسانیت سوز بن رہا ہے۔ انسانیت ساز بنجائیگا۔ اور اُسوقت سمجھ میں آجائیگا کہ لاالٰہ الا اللہ کے معنی کیا ہیں ۔

خلاصۂ مبحث

عنوان زیر نظر سے ہمیں معلوم ہوگیا کہ ایک بلند و بالا قوت کا احساس فطرتِ انسانی کے اندر وجدانی طور پر موجود ہے۔ اسی قوت کو الٰہ کہتے ہیں۔ فطرتِ صحیحہ کا تقاضا ہے کہ الٰہ حقیقی کا تصور اُسکے سامنے ہو لیکن جب فطرت خارجی اثرات سے زنگ آمیز ہوجائے تو حقیقی الٰہ کے بجائے باطل خداؤں کا تصور اُسکے سامنے آجاتا ہے۔ اسی باطل تصور کو مٹانے اور حقیقی الٰہ کی ذات کو اجاگر کرنے کے لیے خدا کیطرف سے حضرات انبیاء کرام کی وساطت سے آسمانی ہدایت آتی رہی اور خدا کا یہ پیغام ازلی شروع سے اخیر تک ایک ہی رہا۔ یہی پیغام اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم کے اندر موجود ہے اور اسکے باہر کہیں نہیں ہے اس باطل عقیدہ کی جسقدر شکلیں انسانوں میں رائج ہوچکی تھیں، قرآن کریم ان سب کی تردید کرتا ہے اور عقل و بصیرت کو اپیل کرکے حقیقی الٰہ کے ایمان کی صداقت پر دلائل پیش کرتا ہے اُسکے نزدیک یہ نظامِ کائنات ایک مربوط اور باہمدگر پیوستہ مشینری ہے۔ اور اس کارگہِ حیات میں ایک سے قیمے

وشاورھم فی الامر (۳۲/۲۹)

اے پیغمبر تمام اُمور و معاملات کو مشورے کے ساتھ انجام دیا کرو۔

.... "یہ الہلال کی پالیسی ہے اور یہی دعوت ہے جس کی طرف ہم مسلمانوں کو بلانا چاہتے ہیں۔ یہ کسی انسانی دماغ کی اختراع نہیں، اور نہ کسی انسانی گروہ کا اتباع و تقلید ہے، بلکہ اس رب العلمین نے جسنے کتاب حکمت اور عدل و میزان کے ساتھ اپنے رسولوں کو دُنیا میں بھیجا، یہ راہ ہمارے سامنے کھول دی ہے، وہ اگر توفیق بخشے تو اُس کی دی ہوئی زندگی کو اسی دعوتِ حق میں ختم کر دینا چاہتے ہیں نہ کسی سے جنگ ہے نہ کسی سے مناقشہ۔ صلہ کی توقع اور نہ داد کی اُمید۔ اس راہ کے داعی کریم کو جو حکم دیا گیا تھا وہ ہمارے سامنے موجود ہے"......... "اگر مسلم لیگ مسلمانوں کی پولٹیکل راہ نمائی کرنا چاہتی ہے تو اس کو یہی راہ اختیار کرنی چاہیئے! واللہ یھدی من یشاء الی صراط المستقیم" +

(مضامین آزاد، حصہ دوئم)

اس کی توضیح میں مولانا فرماتے ہیں "ہم تو خدا اے مسلمانوں کی سب سے بڑی غلطی سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ انہوں نے اپنے سامنے دو راستے ہی دیکھے، یا گورنمنٹ پر اعتماد اور یا ہندوؤں اور کانگریس کی شرکت، یعنی ہمیشہ آزادی سیاسی (؟) کو ہندوؤں کا مرادف سمجھا مگر خود اپنے تئیں بھولے رہے اور اسلیئے بھولے رہے کہ خدا کو بھلا دیا۔

وَلَا تَکُونُوا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللہ فَانسٰھم انفسھم (۵۹: - ۲۰)

(ان لوگوں کیطرح گمراہ نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ خود اپنے کو بھی بھول گئے)

اسی لیۓ ہماری تمام سعی و جہد کا ماحصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو یاد دلا دیں کہ دُنیا میں رہنے کے لیۓ جتنی چیزیں مطلوب ہیں وہ خود اُنکے پاس موجود ہیں، اوروں کے دروازوں کو دریوزہ گری کے لیۓ کیوں تک رہے ہیں" + (الہلال ۲۹ ستمبر ۱۹۱۲ء)

یہ ۱۹۱۲ء کی باتیں ہیں۔ ان دنوں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد قرآن کی روشنی میں بیانگ دہل اعلان

کی حرکت کا اثر دوسری شئے پر پڑتا ہے حتے کہ یہ اثرات ایک علت العلل کی آخری قوت پر اختتام پذیر ہوجاتے ہیں، اور وہ ذات الٰہ حقیقی ہے، نظام کائنات کی یک جہتی اور یگانگت اس بات پر دال ہے کہ اسکے پیچھے اسکے چلانے والی مشیت بھی ایک ہی ہو پھر اُس ایک مشیت کو تمام صفات حسنہ کی حامل ہونا بھی ضروری ہے اسلئے قرآن کریم مختلف گوشوں سے اسکی صفات کو واضح طور پر سامنے لاتا ہے دوسری طرف وہ انسان کو یہ بتاتا ہے کہ نظام کائنات کی ہر شئے اسکے تابع فرمان ہے اسلئے اس کا کسی شئے کے سامنے جھکنا خود اسکی خودی۔ اس کی عزتِ نفس کے منافی ہے، لہذا جھکنا صرف اسکے سامنے زیبا ہے جو اس سے بلند و برتر ہو اور وہ صرف خدا کی ذات ہے حتے کہ انسان کو خود اپنی خواہشات کے سامنے بھی نہیں جھکنا چاہیئے بلکہ اپنی خواہشات کو ہمیشہ قوانین الٰہی کے تابع رکھنا چاہیئے اسی سے دُنیا کا نظام امن قایم رہ سکتا ہے۔

طلوع اسلام

ہر انگریزی مہینہ کی پہلی تاریخ کو شائع ہوجاتا ہے، جن خریداروں کو وقت پر پرچہ نہ ملے وہ چھ روز کے اندر دوبارہ طلب فرماسکتے ہیں۔

نیجر

فرماتے تھے کہ کانگریس میں شرکت سب سے بڑی ضلالت کی راہ ہے سیاست میں ہندوؤں کی اتباع واقتدا کفر و شرک ہے، مسلمانوں کو غیروں کی کسی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ دنیا کو خود اپنی جماعت میں شامل کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں لیکن آج وہی مولانا آزاد سابقہ دلائل میں کوئی سقم بتائے بغیر کانگریس میں بنفس نفیس شامل ہیں، کانگریس کی اعلیٰ کمان کے اہم رکن ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ قومیت کے زبردست حامی ہیں اور مسلمانوں کو کانگریس میں شرکت کی دعوت دینے سے نہیں تھکتے یہی نہیں بلکہ جن صوبوں میں زمام حکومت مسلمان اکثریت کے ہاتھ میں ہے، وہاں اسلامی وزارت توڑ کر کانگریسی وزارت قایم کرنے میں پیش پیش ہیں ؏

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

حالات کے بدلنے سے "سیاسی" مسلک میں تبدیلی چنداں تعجب انگیز نہیں ہو سکتی لیکن کفر کا اسلام اور شرک کا توحید بنجانا وہ انقلاب عظیم ہے جس کی ذہنی اور قلبی کیفیات کا متحمل صرف حضرت مولانا کا سکوت ہی ہو سکتا ہے اور جب تک یہ سکوت قایم ہے ہم مجبور ہیں کہ اس انقلاب کو "عالم کی لغزش" سمجھیں جو امت کے حق میں تین خطرناک چیزوں میں سے ایک ہے اور جو دنیا کو بگاڑنے میں ایک تہائی کی ذمہ دار ہے +

کیا حضرت مولانا سے کوئی آج اتنا پوچھ سکتا ہے کہ سیاسی مسلک میں ہندوؤں کی اتباع واقتدار جو کبھی "کفر و شرک" تھی اب قرآن کریم کی کس آیت کی رو سے عین اسلام اور توحید ہو گئی؟ وہ قرآن فہمی کس کی نذر ہو گئی جو یہ بصیرت پیدا کرتی تھی کہ مسلمانوں کو دوسروں کی کسی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ دنیا کو خود اپنی جماعت میں شامل کرنے کے لیے پیدا کئے گئے ہیں؟ وہ کون ہے جو کبھی سچ بلکہ "من اتبعنی" کے زمرہ میں داخل تھا لیکن آج زنار بدوش ہندوؤں کے حلقۂ درس میں شریک ہے، وہ کون ہے جس نے یداللہ علی الجماعتہ سے منہ موڑ کر اپنا ہاتھ خدا کے ہاتھ سے اٹھالیا اور انسانی دستگیری کا محتاج ہو گیا؟ اس لرزش قلب کو آج کیا ہو گیا جو کسی انسانی دماغ کی اقتدا، یا انسانی گروہ کی اتباع میں غیرت رب العزت کی بجلیاں پوشیدہ دیکھ کر روح میں کپکپی پیدا کر دیتی تھی؟ اس غیرت ایمانی کو کس کی نظر کھا گئی جو اوروں کی چوکھٹ کے سائل بننے اور دوسروں کے دروازوں کی دریوزہ گری کرنے کو

الله

اللہ اسم ذات ہے!

لفظ الٰہ کے متعلق ہم دیکھ چکے ہیں کہ وہ ہر معبود کے لیے استعمال ہو سکتا ہے لیکن وہ معبودِ حقیقی کہ جسکے سوا کوئی اور ہستی پرستش کے قابل نہیں۔ وہ ذات ہے جسکا نام اللہ ہے۔ الٰہ کا ہمزہ حذف کرکے اسپر الف۔ لام داخل کیا گیا ہے اور اسطرح یہ لفظ صرف اس ذاتِ باری تعالےٰ کے لئے مختص ہو چکا ہے اسکے سوا کسی اور کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں ہو سکتا۔ صفات کے اعتبار سے تو خدا کے کئی نام ہیں لیکن ذات ربّ العٰلمین کے لیے صرف یہی ایک نام ہے۔

حقیقت ذات کا ادراک

اللہ کیا ہے! اس کی ہستی کیسی ہے!! یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب عقل انسانی کے احاطہ سے باہر ہے عقل درحقیقت نام ہے ان مجموعی نتائج کا جو انسان اپنے علم و مشاہدات سے حاصل کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ ذرائع جنکے توسط سے انسان اپنے علم و مشاہدات کو اکتساب کرتا ہے بالکل محدود ہیں۔ سو جب وہ ذرائع محدود ہیں تو ان ذرائع سے جو کچھ حاصل کیا جائے گا وہ لامحدود کس طرح ہو سکے گا، وہ انسان جو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کر سکا ہے کہ وہ خود کیا ہے وہ یہ کیا معلوم کر سکے گا کہ خدا کیا ہے، وہ شخص جو شیرینی کی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز ہے وہ اس شیرینی بنانے والے داماغ کی کنہ وحقیقت کا کس طرح احاطہ کر سکتا ہے ذاتِ خداوندی کی ماہیت کا علم، انسان کی سرحدِ ادراک سے ماورا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم عرفان (خدا کے پہچاننے) کا تقاضا نہیں کرتا، وہ صرف ایمان (مان لینے) کا تقاضا کرتا ہے (یہ ایمان کیوں ضروری ہے اس کی تفصیل

مسلمان کے لیے سب سے بڑی شرم انگیز بات قرار دیتی تھی؟ کانگریس کی شرکت جو کبھی سب سے بڑی ضلالت کی راہ تھی، آج کن مصالح کی بنا پر عین صراط مستقیم ہو گئی! اور مسلم لیگ نے جب اسی راستہ کیطرف رُخ کر لیا جو اُسوقت عین صراط مستقیم تھا تو وہ آج کس "امام مبین" کے فیصلہ کے ماتحت شر الدواب قرار پا گئی!

کہا جا سکتا ہے کہ حالات کے بدلنے سے مسلک بدل سکتا ہے لیکن کیا حالات کے بدلجانے سے کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کفر، اسلام بنجائے۔ اور شرک توحید ہو جائے۔

عالم کی یہی وہ لغزش ہے جسکے متعلق حضور مخبر صادق نے فرمایا تھا کہ:۔

اِن اشد ما اتخوف علےٰ امتی ثلاث۔ زلة عالم۔ وجدال منافق بالقرآن

ودنیا تقطع اعناقکم......

میں اپنی اُمت کے حق میں سب سے زیادہ جن چیزوں سے ڈرتا ہوں وہ تین ہیں، عالم کی لغزش اور منافق کا قرآن سے استدلال اور دُنیا جو تمہاری گردنیں کاٹنے لگے

شعبی کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا "دُنیا کو بگاڑنے والی تین چیزیں ہیں۔ عالم کی لغزش، منافق کا قرآن سے استدلال اور گمراہ کرنے والے سردار (لیڈر)

اس لیے کہ سالار کارواں کی لغزش سارے قافلے کا رُخ کعبہ سے پھیر کر ترکستان" کیطرف کر سکتی ہے

اس لغزش کے متعلق ہم تو اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ:۔

شیخِ ملت با حدیثِ دلنشیں! بر مُراد اُو کند تجدید دیں!

واردھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان

یہ پمفلٹ مسلمانوں کو تعلیمی اور مذہبی خطرات سے آگاہ کرنے والا ہے واردھا کی تعلیمی اسکیم پر جناب رازی کا تبصرہ اب کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا۔ اس کا تیسرا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہا ہے بہت تھوڑے نسخے رہ گئے ہیں۔ قیمت فی نسخہ ار محصول ار

(منیجر طلوع اسلام بلیماران دہلی)

اپنی جگہ آئے گی، پھر جس چیز کو انسان براہِ راست نہ سمجھ سکے اس کے سمجھنے کا دوسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اُس جیسی کسی دوسری شئے سے اس کے متعلق اندازہ لگا لیا جائے لیکن وہ ذات کہ جس کا ہمتا ہے نہ ہو وہ ہے جسکے متعلق ارشاد ہے کہ :-

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۴۲ ؍ ۱۱ ۔ اُسکی مثل کوئی شے نہیں

لہذا خدا کی ماہیت انسان کے ذہن میں کیسے آسکتی ہے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کے متعلق ایک مثال بیان فرمائی ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۲۴ ؍ ۳۵-۳۶

اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اُسکے نور کی مثال ایک طاق کی مانند ہے جس میں ایک چراغ ہو۔ وہ چراغ ایک قندیل میں ہو، وہ قندیل ایسا (صاف شفاف) گویا چمکتا ہوا تارہ ہے۔ وہ چراغ ایک مبارک درخت زیتون (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ اس کا تیل (ایسا ہے کہ) اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تو بھی معلوم ہوتا ہے کہ (خود بخود) روشن ہو جائے گا۔ نُور علیٰ نُور جس کو چاہتا ہے۔ اللہ اپنے نور سے ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے یہ مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے (یہ طاق) ایسے گھروں میں ہے جن کی نسبت اللہ نے اجازت دے رکھی ہے کہ بلند کئے جائیں اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے اور صبح و شام (یہ لوگ) اُن میں اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں

قرآن اور قرآنی دلائل !

(گذشتہ سے پیوستہ)

کیا وہ آسمان اور زمین کی مملکت میں اور جو چیزیں خدا نے پیدا کی ہیں انہیں غور و فکر نہیں کرتے

یعنی اگر کائنات کی پیدائش پر اور صانع کی صنعت و کاریگری پر انسان غور کرے تو اس سے ایک قادر مطلق خدا کا وجود خودبخود ثابت ہو جاتا ہے جب بغیر کسی فاعل اور صانع کے کوئی چیز خودبخود نہیں بن سکتی تو اتنی بڑی کائنات بغیر خدا کے کس طرح بن گئی۔

(۵) افی اللہ شک فاطر السمٰوٰتِ والارض

کیا اُس خدا کے وجود میں شک ہے جس نے زمین آسمان کو پیدا کر دیا

(۶) فلینظر الانسان مِمّ خُلِقَ ۔ خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ +

انسان یہ تو دیکھے کہ اس کی پیدائش کس چیز سے ہوئی ہے اُس کی پیدائش اُچھلتے ہوئے پانی سے ہوئی ہے۔

(۷) ام خلقوا من غیر شئ ام ھم الخالقون ہ

کیا وہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے پیدا ہو گئے یا وہ اپنے وجود کے آپ ہی خالق ہیں؟

سوم: کبھی وہ عالم کی ترتیب اور تناسب سے خدا کے وجود پر استدلال کرتا ہے۔

(۸) مَا تریٰ فی خلق الرحمٰن من تفاوت

کیا تمہیں رحمٰن و رحیم خدا کی مخلوق میں کوئی تفاوت ابتری اور غیر موزونیت کہیں دکھائی دیتی ہے؟

(۹) صنع اللہ الذی اتقن کل شئ

یہ اللہ کی صنعت ہے کہ ہر چیز میں اتقان اور تناسب موجود ہے +

(۱۰) والارض مددنٰھا والقینا فیھا رواسی وانبتنا فیھا من کل شئ موزون

اور ہم نے زمین کو کشادہ بنایا اور اس میں کشش ثقل کی میخیں ٹھونک دیں اور اس میں ہر چیز کو موزوں اور مناسب طریقے پر نکالا

اللہ

محسوسات کا خوگر انسان ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ لبسیط سے بسیط حقیقت بھی لباس مجاز میں آکے سامنے جلوہ بار ہو یا کم از کم اس حقیقت مجردہ کو بیان اس انداز سے کیا جائے کہ وہ اسکے ذہن میں ایک محسوس پیکر کا تصور قایم کر سکے، یہی وہ بنیادی غلطی تھی جس کی وجہ سے انسان نے بت پرستی اختیار کی. اسلام چونکہ علم و بصیرت کا مذہب ہے اسلئے اُسنے وہ تمام دروازے بند کر دیئے جنکے راستے اس قسم کی توہم پرستی داخل ہو سکتی تھی، اُسنے ذات باری تعالےٰ کے متعلق کوئی مثال بھی ایسی بیان نہیں کی جس کی بنا پر ذہن کسی محسوس و مشہود پیکر کیطرف منتقل ہو جائے. وہ حقیقت کو حقیقت رکھنا چاہتا ہے ذہن انسانی کے تقاضا کو پورا کرنے کے لیئے اُسے کسی مجسمہ میں تبدیل نہیں کرنا چاہتا. مذکور صدر مثال میں جو لطیف و بسیط اشارات ہیں. انہیں انسان اپنی سمجھ کیمطابق خواہ کچھ ہی معنی کیوں نہ پہنائے لیکن وہ خدا کی ماہیت بیان نہیں کریں گے. زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اُسنے اس مثال کو یوں سمجھا ہے. تفاسیر میں اسکے متعلق بہت کچھ مذکور ہے لیکن جو مفہوم اصل سے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے جو مولانا اسلم جیراجپوری نے اپنی کتاب تعلیمات القرآن کے حاشیہ میں لکھا ہے وہ فرماتے ہیں :-

اس مثال کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ عبادتخانہ سے مراد ہے دین۔ طاق سے مومن شیشہ سے اس کا آئینہ دل، چراغ سے ایمان۔ اور مبارک درخت زیتون کے تیل سے وہ ہدایت جو کلام الٰہی سے حاصل ہوتی ہے جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی

میں نے اسے اصل سے قریب اسلئے کہا ہے کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر دین فطرت آسمانی ہدایات اور خود قرآن کریم کو نور کہا گیا ہے (اس کی تفصیل نور کے عنوان میں ملے گی) اور یہاں بھی یہ لکھا ہے کہ اللہ اپنے نور سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے. لہذا یہ روشنی خود کلام الٰہی ہے. اب باقی مثال کو اس سے واضح کیا جا سکتا ہے لیکن بایں ہمہ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس مثال سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر شئے جو حق ہے وہ نور ایزدی ہے اس کائنات کے جملہ حقایق اسی کے آئینہ جمال کے پرتو ہیں +

قرطاس ادبی

توحید پر قرآنی دلائل

صانع عالم کے وجود کے بعد قرآن حکیم نے خدا کی وحدانیت پر فلسفیانہ اصطلاحات اور مغلق مقدمات کے بغیر ایسے دلنشیں دلائل قائم کیے ہیں جو انسانی قلب کو یقین و طمانیت سے معمور کر دیتے ہیں اور ہر عامی سے عامی بھی جو دلائل و مقدمات کی ترتیب سے ناواقف ہے اُس سے تسلی حاصل کر لیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

(۱۱) لوکان فیہما الہۃ الا اللہ لفسدتا ۔

اگر زمین و آسمان میں کوئی دوسرا خدا ہوتا تو یہ نظام سارا کا سارا درہم برہم ہو جاتا

(۱۲) ما اتخذ اللہ من ولد وما کان معہ من الہ اذاً لذھب کل الہ بما خلق ولعلا بعضہم علےٰ بعضٍ سبحان اللہ عمّا یصفون ۝

خدا نے نہ تو کسی کو اپنی اولاد بنایا ہے اور نہ کوئی دوسرا خدا اُسکا شریک ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق جُدا پیدا کرتا (یعنی وہ مختلف الافعال ہوتے اور اس کشمکش میں کسی ایک فعل کا بھی صدور نہ ہوتا) اور ایک خدا دوسرے خدا پر غلبہ پانے کی کوشش کرتا، بے شک اللہ ان تمام الزاموں سے پاک ہے۔

(۱۳) قل لوکان معہ آلہۃ کما یقولون اذا لابتغوا الی ذی العرش سبیلاً

اگر خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی شریک ہوتا جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں تو وہ صاحب عرش (مالک و مختار) خدا کیطرف راستہ نکالتا (یعنی بادشاہوں کیطرح ایک خدا دوسرے خدا کو مغلوب اور حکومت سے محروم کرنے کی کوشش کرتا ۔)

یہی نہیں کہ قرآن حکیم نے توحید الٰہی پر دلائل قائم کئے بلکہ جو شرک تعدد الٰہ کے قائل ہیں قرآن ان سے بھی اس باطل دعوے پر دلیل طلب کرتا ہے ۔

ام اتخذوا من دونہ الہۃ قل ھاتوا برھانکم

کیا انھوں نے خدا کے سوا دوسروں کو بھی اسکا شریک ٹھیرا لیا ہے؟ کہہ دو کہ اگر اسپر

الله

صفات الٰہی

ذات خداوندی کے متعلق تو ہم بتا چکے ہیں کہ اس کی حقیقت و ماہیت سرحدِ ادراک سے ماوراء ہے۔ لیکن جن چیزوں سے خدا کا تصور ذہن میں مرتسم ہو سکتا ہے وہ اس کی صفات ہیں یعنی وہ خدا کیسا ہے، کون کون سی قوتوں کا مالک ہے، نظام کائنات میں اسکے جلوے کس کس انداز سے کارفرما ہیں وغیرہ وغیرہ۔ دُنیا میں چند ملحدین کے سوا خدا کی ذات کا تو کوئی منکر نہیں اور ملحدین کا انکار بھی دراصل ایک نام بدل دینے کے مرادف ہے۔ وہ قوت جو نظم و نسقِ عالم کو برقرار رکھے ہوئے ہے، ماننے والوں کے نزدیک خدا ہے۔ اور نہ ماننے والوں کے نزدیک فطرت (NATURE)۔ نہ ہم انکا ذہن ذاتِ خداوندی کی ماہیت کا احاطہ کر سکتا ہے نہ یہ فطرت کی حقیقت بتا سکتے ہیں ذہن انسانی کی رسائی زیادہ سے زیادہ علت و معلول کے سلسلہ تک ہو سکتی ہے لیکن علت العلل کی حقیقت تک تو کوئی ذہن نہیں پہونچ سکتا۔ زمین قایم ہے نظام شمسی کے کُروں کی باہمد گر کشش سے، اور نظام شمسی قایم ہے دیگر ستاروں کی مرکزی جاذبیت سے اور دیگر ستارے قایم ہیں ـــ ماننے والوں کے نزدیک مشیت خداوندی سے، اور نہ ماننے والوں کے نزدیک اصول فطرت کے ماتحت کہ جو سمجھ میں نہیں آسکتا۔ وقس علے ھذا

ہاں۔ تو کہنا یہ تھا کہ دُنیا میں ذاتِ خداوندی سے تو کسی کو انکار نہیں۔ جس چیز میں فرق پڑتا ہے وہ صفاتِ خداوندی ہیں۔ انہی صفات کے صحیح تصور سے، خدائے حقیقی کا صحیح ایمان قلبِ انسانی میں آسکتا ہے اور انہی کے غلط تعین سے انسان باطل پرست ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کی واضح خصوصیت یہ ہے کہ اسنے صفاتِ خداوندی اس شرح و بسط اور اس صحت و صواب کے ساتھ بیان کی ہیں کہ انکے ذریعے سے انسان خدا کے متعلق ایک حقیقت ثابتہ تک پہنچ جاتا ہے اس لیے کہ خدا کے متعلق کسی صحیح تصور تک صرف آسمانی کتابیں ہی پہنچا سکتی ہیں لیکن ادیان عالم میں۔ اسلام کے سوا کوئی مذہب ایسا نہیں جو حتم و یقین کے ساتھ کہہ سکے کہ جو آسمانی کتاب اُنکے پاس ہے وہ تحریف و الحاق سے پاکیزہ ہے اس میں ذہن انسانی کی آمیزش نہیں ہو چکی۔ اب ظاہر ہے کہ جس قسم کے خدا کا تصور ذہن انسانی پیدا کریگا۔ وہ انسانی تخیلات ہی کا پیکر ہوگا۔ اس کی صفات انسانی

علت العلل

دلیل رکھتے ہو تو پیش کرو!

پھر فرمایا:۔

امن یبدؤا الخلق ثم یعیدہ ومن یرزقکم من السمآء والارض
أاله مع اللہ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین ۝

کون ہے جو پیدائش کا آغاز کرتا ہے پھر اُس کو لوٹا دیتا ہے اور کون ہے جو تم کو زمین و آسمان سے رزق پہونچاتا ہے کیا اسکے بعد بھی تم کسی اور خدا کے متلاشی ہو؟ کہہ دو اگر یہ بات ہے اور تم سچے ہو تو دوسرے خدا کے وجود پر دلیل پیش کرو!

بعثت پر قرآنی دلائل

اسلام میں حیات بعد الموت کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے یہ مسئلہ درحقیقت مذہب کا ستون عقائد و اعمال کی اساس اور ایمان باللہ کا لازمی نتیجہ ہے اگر اسکو ایک لمحہ کے لیے بھی دل سے نکال دو تو مذہب کی عمارت فوراً منہدم ہو جائے گی اور ایمان کے لیے پناہ کی کوئی جگہ باقی نہ رہے گی +

مگر یہ مسئلہ جہاں مذہب کی بنیاد ہے وہاں وہ اُن لوگوں کے لیے مشکل بھی ہے جو ثبوت کبغیر دور محسوس نہیں کرتے اور ہر اس بات کا انکار کرنے کے عادی ہیں جو عقل سے مافوق اور تجربہ سے بالا ہو مگر دیکھو قرآن حکیم اس مشکل مرحلہ سے انسانوں کو کس آسانی سے گزارتا ہے اور حشر و نشر کو اس لطیف پیرایہ میں سمجھاتا ہے کہ منطقی فلسفی اور دانش فروش دیکھتے کے دیکھتے رہ جاتے ہیں اور فطرت اور ضمیر کی آواز پر کان لگانے والے اطمینان و یقین کی دولت حاصل کر لیتے ہیں۔

دیکھو قرآن کریم فلسفہ کی تمام راہوں سے بچ کر انسانی ضمیر اور وجدان سے کس طرح سرگوشیاں کرتا ہے:۔

ایحسب الانسان ان یترک سدی الم یک نطفۃ من منی یمنی
ثم کان علقۃ فخلق فسوی فجعل منہ الزوجین الذکر والانثی الیس
ذالک بقادر علی ان یحیی الموتی

اللہ

صفات کا ہی عکس ہوں گی، زیادہ سے زیادہ یہ کہ اُس کی قوتیں مقدار و شمار میں بڑھا دی جائیں گی، انسان کے دو ہاتھ ہیں تو اُس خدا کے چار ہاتھ بنا دیئے جائیں گے۔ انسان ایک پتھر اُٹھا سکتا ہے تو وہ خدا ایک پہاڑ اُٹھالے گا، انسان کا قد پانچ چھ فٹ ہوتا ہے۔ خدا کا قد پچاس ساٹھ فٹ ہو جائے گا۔ ہندوستان کے دیوی دیوتا اور اصنامیات یونان کے مقدس مجسمے اسی غلط تصور کے مظاہرات ہیں۔ انسان کا ذہن انسان سے الگ ہو کر کوئی خدا بنا ہی نہیں سکتا اور یہ سب سے بڑی داخلی دلیل ہے اس امر کی کہ ان آسمانی کتابوں میں (اگر یہ آسمانی تھیں تو) ذہن انسانی کی آمیزش ہو چکی ہے۔ مثلاً ویدوں کا خدا خالص انسانی قالب میں ڈھلا ہوا ہے۔ رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۹۰ منتر ۱۳-۱۲ یا یجروید ادھیائے ۳۱ منتر ۱۲-۱۱ میں ہے:-

"برہمن اس کے منہ سے (پیدا) ہوئے۔ اور اس کے بازوؤں سے کشتری ذات کے لوگ پیدا ہوئے۔ جو ویش ہیں وہ اس کی ٹانگوں سے پیدا ہوئے۔ اور پرمیشور کے دونوں پاؤں سے چارے شودر پیدا ہوئے۔ ۱۲ چاند اسکے منہ سے پیدا ہوا آنکھوں سے سورج پیدا ہوا۔ منہ سے اندرا اور اگنی دیوتا پیدا ہوئے۔ اور نفوس سے ہوا پیدا ہوئی۔"

یا مثلاً یجروید ادھیائے ۳۱ منتر ۱۳ میں لکھا ہے۔

"پرمیشور کی ناف سے طبقۂ وسطی (پیدا) ہوا سر سے طبقۂ علوی پیدا ہوا۔ پرمیشور کے دونوں پاؤں سے زمین اور کانوں سے اطراف اور گُرے پیدا ہوئے۔"

اتھروید کانڈ ۱۱ سوکت ۲ منتر ۵ میں ایشور کا سروپ (حلیہ) یوں بیان کیا گیا ہے

"اے پشوپتے۔ جیوں کے سوامی! اے ماتن! تیرے مکھ (منہ) کو نمسکار ہے۔ اے بھو! سرو اتیا دک ایشور! تیری جو چکشو میں (آنکھیں) ہیں اُن کو بھی نمسکار ہے تیری توچا (چمڑی) کو نمسکار ہے۔ ...... اے پرمیشور! تیرے انگوں (اعضاء) کو نمسکار ہے۔ تیرے اُدر بھاگ (پیٹ) کو نمسکار ہے۔ تیرے جیبھ کو نمسکار ہے۔ تیرے آسیہ مکھ (چہرے) کو نمسکار ہے۔ تیرے دانتوں کو نمسکار ہے۔ تیرے (دانتوں کی) گندھ (بو)

کیا انسان کا خیال یہ ہے کہ اُس کو بے لگام چھوڑ دیا جائیگا؟ اس کی حقیقت اِسکے سوا کچھ اور بھی ہے کہ وہ بے جان قطرہ تھا پھر وہ گوشت کا لوتھڑا بنا پھر اُس کی تخلیق اور تسویہ عمل میں آیا اور پھر اس قطرہ سے عورت اور مرد کا جوڑا بنا دیا۔ جب خدا نے یہ سب کچھ کر دیا تو کیا اُسکے لیے مُردوں کو زندہ کر دینا مشکل ہے ؟ ۴۰

یعنی تم روزانہ مُردہ اشیاء کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھتے ہو خود تم بھی نطفہ کی صُورت میں مُردہ اور بے جان تھے تم کو زندگی کے لیے کتنے مرحلوں سے گزرنا پڑا اور پھر کیسے جاگتے انسان بنگئے۔ اس مشاہدہ کے بعد پھر تم کس طرح کہتے ہو کہ مرنے کے بعد کوئی اور زندگی نہیں؟ کیا جس خدا نے پہلی بار تم کو زندگی بخشی اور بے جان سے جاندار بنایا وہ دوبارہ زندگی عطا کرنے سے قاصر ہو جائیگا۔

پھر فرمایا:۔

وترى الارض هامدة فاذا انزلنا عليها الماء اهتزت وربت وانبتت من كل زوج بهيج ذالك بان الله هو الحق وانه يحي الموتىٰ وانه على كل شئ قدير۔ وان الساعة اٰتية لا ريب فيها وان الله يبعث من فى القبور

تم دیکھتے ہو کہ زمین کس قدر خشک (مُردہ) ہو جاتی ہے مگر جب ہم اُس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ نرم ہو جاتی ہے اور اس سے ہر قسم کی نباتات پیدا ہوئے اُگتی ہیں یہ اسلیئے کہ اللہ جو سرتاسر حق ہے مُردوں کو زندگی عطا فرماتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے (جب یہ تمہارا مشاہدہ ہے کہ مُردہ زمین زندہ ہو کر سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے تو اب اسکا سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ) بلاشبہ قیامت آئے گی۔ اور اللہ قبروں سے مُردوں کو زندہ کر کے اُٹھائے گا!

یہ آیات نمونے کے طور پر نقل کیگئی ہیں ورنہ عقائد کے باب میں قرآنِ حکیم دلائل سے بھرا پڑا ہے اب دیکھو قرآن کریم کے دلائل کتنے آسان، عام فہم اور فطرت صحیحہ کے قریب ہیں اور عوام و خواص دونوں کو کس طرح ان سے تسلی ہوتی ہے، نہ تو قرآنی دلائل کے مقدمات مخفی اور مرکب ہیں

اللہ

کو نمسکار ہے!" (ترجمہ پنڈت جے دیو شرما صاحب)

اگر وہ انسان سے الگ ہو جاتا تو وہ مظاہر فطرت جن سے انسان اپنے عہدِ طفولیت میں ڈرتا تھا، انہیں خدا تصور کر لیتا تھا۔ مثلاً یجر وید ادھیائے ۱۳ منتر ۶ میں ہے۔

سانپوں کی پرستش

"زمین میں رہنے والے سانپوں کو سجدہ (قبول) ہو۔ اور جو سانپ ہوا میں یا آسمان پر ہیں۔ ان کو ہمارا سجدہ ہے، جو سانپ یا تو دھانوں کے پتروں کے ساتھ آتے ہیں، یا نباتات میں۔ اور جو سانپ اپنے بلوں میں لیٹے ہیں۔ اُن کو ہمارا سجدہ قبول ہو جو سانپ درمیوں میں یا سورج کی کرنوں میں اور پانیوں میں رہتے ہیں، ان کو ہمارا سجدہ قبول ہو!" (انگریزی ترجمہ کے لیے پرنسپل گرفتھ ایم اے کا ترجمہ دیکھئے۔)

حتیٰ کہ یجر وید ادھیائے ۳ منتر ۶۳ میں سر منڈاتے وقت حجام کے اُسترے کو سجدہ کر لینے کا حکم لکھا ہے جس کا ترجمہ پنڈت رام گوپال صاحب ودیا النکار نے سنسکار پرکاش میں یوں کیا ہے۔

استرے کو سجدہ

"ہے اُسترے! تو کلیان کاری ہے، اور اچھے لوہے کا بنا ہوا ہے تجھے نمسکار (سجدہ) ہو تو اس بالک کو ہانی (تکلیف) مت پہنچانا!"

بخار کو سجدہ

اتھروید کانڈ ۱ سوکت ۲۵ منتر ۴ میں بخار کو سجدہ کرنے کو لکھا ہے

"سردی والے بخار کو سجدہ قبول ہو۔ گرمی والے اور نامی بخار کو بھی میں سجدہ کرتا ہوں روزانہ، دوسرے اور تیسرے دن آنے والے بخار کو میرا سجدہ قبول ہو!"

تصورِ معبود

مطلب اس سے ہمارا یہ ہے کہ جو قابلِ پرستش شے ذہن انسانی کی تخلیق ہوتی ہے، وہ انسانی تخیلات سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اور پھر جیسا کہ کانٹے نے لکھا ہے جس قسم کا معبود کوئی قوم اپنی پرستش کے لیے تجویز کر لیتی ہے، وہ معبود اس قوم کے تمدن و تہذیب کا آئینہ دار ہوتا ہے، اسلئے کہ معبود کی عظمت اور تقدس کا تقاضا ہوتا ہے کہ انسان سے بہترین لباس میں پیش کرے، لہٰذا کسی قوم کا تجویز کردہ معبود اس قوم کے ذہنی ارتقا کے آخری نقطہ کو ظاہر کرے گا (یعنی وہ معبود جو ذہنِ انسانی کی پیداوار ہو) اوتار کا عقیدہ بھی انسان کے اسی رجحان کا آئینہ دار ہے وہ جس انسان

اور نہ قرآن کا استدلال غیر فطری ہے وہ جو کچھ کہتا ہے ضمیر و وجدان سے کہتا ہے اور اس طرح کہتا ہے کہ دل میں اُترتا چلا جاتا ہے۔ اسکے مقابلہ میں فلاسفہ متکلمین اور حکماء اسلام کے دلائل پر نظر کرو اور فیصلہ کرو کہ ہدایت کا طریقہ کون سا ہے؟ اور اذعان و ایقان کا نور کس سے حاصل ہوتا ہے۔ جب تک قرآن کی مشکلات کو قرآن ہی سے حل نہ کیا جائے گا۔ اور فلسفیانہ طرز استدلال سے آنکھیں بند نہ کیجائیں گی اسوقت تک قرآن کی عظمت آشکارا نہ ہو سکے گی اور ہم اجنبیوں کی طرح قرآن تک پہونچنے میں ٹھوکریں ہی کھاتے رہینگے حکماء اور متکلمین کی موشگافیاں تو ان متعدد پردوں میں سے ایک پردہ ہیں جو قرآن کریم پر ڈالے گئے۔ اور ان مشکلات میں سے ایک مشکل ہیں جو کتاب الٰہی کے قریب جانے والوں کے راستہ میں حائل کی گئیں۔ انکے علاوہ ابھی بہت سی جھاڑیاں ہیں جو ہر جویائے حقیقت کے راستے میں آتی ہیں اور جنسے دامن بچاکر نکل جانا صرف اسیکا کام ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کے سمجھنے کا وہ طریق بنادے جو خود اس کتاب نے بیان فرمایا ہے اور جسکے متعلق ہم شروع میں عرض کر چکے ہیں کہ انسان اپنے ہر سوال کو قرآن کے سامنے پیش کرے۔ اور اسی سے اسکا حل طلب کرے +

متکلمین اور حکما کون ہیں؟

ہم نے بتایا ہے کہ عقائد کے اثبات میں جو طریق استدلال خود قرآن پاک نے اختیار کیا ہے وہ سراسر عقلی ہے مگر پیچیدہ اور غامض نہیں ہے۔ اس لیے قلوب پر اُس کا اثر ہوتا ہے۔ اور ضمیر ایمان و اذعان کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ بخلاف متکلمین اور حکماء اسلام کے کہ وہ ہمیشہ پیچیدہ اور پیچدار راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اور قرآن کے فطری استدلال کو چھوڑ کر محض فرضی اور امکانی ... باتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں "

ممکن ہے کہ کسی شخص کو یہ بدگمانی پیدا ہو کہ ہم نے نعوذ باللہ حکماء اسلام اور متکلمین عظام کی توہین کی ہے یا ہم اسلاف کی کوششوں اور علمی خدمتوں کو نظر حقارت دیکھتے ہیں۔ اس لیے ہم یہاں حقیقت واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس شبہ میں وہی شخص مبتلا ہو سکتا ہے جو "متکلمین اسلام" اور حکماء اسلام کی

اللہ

میں کوئی ایسا جوہر دیکھتا جو اوسط درجہ کے انسانوں سے ذرا زیادہ ہوا سے فوق البشر تسلیم کر لیتا اور اسے خدا بشکل انسان تصور کرتا۔ اوتار کا یہی عقیدہ ہے جسے بعد میں عیسائیت نے اپنایا اور الوہیت مسیح کے قالب میں ڈھال لیا۔ ڈاکٹر براون نے اپنی کتاب (RESEARCHES IN ORIENTAL HISTORY) میں اس چیز کو بڑی تحقیق و کاوش سے ثابت کیا ہے کہ الوہیت مسیح عقیدہ اوتار کی ہی صدائے بازگشت ہے حتے کہ اکثر عیسائی محققین اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ مسیحیت کی موجودہ تعلیم کا بیشتر حصہ بُدھ مت کی قدیم تعلیم سے ہی لیا گیا ہے مشہور مستشرق (MAX MULLER) اپنی کتاب (SCIENCE OF RELIGION) میں لکھتا ہے کہ:۔

صفحہ ۲۹۰

"مہاتما بُدھ اور انکے شاگردوں کی زبان اور (حضرت) عیسٰی اور انکے حواریوں کی زبان میں عجیب تطابق پایا جاتا ہے بُدھ مت کے اکثر افسانے اور تمثیلات یوں معلوم ہوتا ہے گویا انجیل کے عہد جدید سے اخذ کیے گئے ہیں حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ وہ سن عیسوی کے شروع ہونے سے بہت پہلے سے دُنیا میں موجود ہیں"

(BUNSEN) اپنی کتاب (ANGEL-MESSIAH) میں لکھتا ہے:۔

[illegible]

بُدھ مت کے متعلق جو قدیم ترین ریکارڈ ملتے ہیں ان میں مہاتما بُدھ کی زندگی اور تعلیم سے متعلق جو کچھ نظر آتا ہے عجیب بات ہے کہ وہ نمایاں طور پر ان روایات سے ملتا ہے جو حضرت مسیح کے متعلق انجیل میں پایا جاتا ہے یہ تو ممکن ہے کہ اسے محض ایک اتفاقی امر کہہ لیا جائے اور تعجب اور بھی بڑھ جاتا ہے جب یہ دیکھا جائے کہ یہ روایات صرف صحیفۂ پولوس اور کتاب چہارم میں پائی جاتی ہیں (ان سے پہلی کتابوں میں انکا ذکر نہیں)

مقصد اس سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ جہاں انسان نے اپنے ذہن سے خدا کی تخلیق کی ہے۔ وہ خدا، انسان ہو کے رہ جاتا ہے قرآن کریم نے خدائے بلند و برتر کی جو صفات بیان کی ہیں ان کے مطالعے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ انسانی تخیلات اور ایک ایسی تعلیم میں جس کا سرچشمہ ذہن انسانی سے ماورا

اصطلاحوں سے ناواقف ہو اور علم کلام کی بنیادی چیزوں پر اس کی نظر نہ ہو۔ اس بدگمانی کے ازالہ کے لیے صرف اتنا کیے دیتے ہیں کہ حکمائے اسلام اور متکلمین اسلام کی حقیقت بتا دیں کہ یہ کون لوگ ہیں اور خود انہوں نے علم کلام کی وادی میں قدم رکھ کر اور ناکامی کا منہ دیکھ کر کس طرح علم کلام سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔

حکمائے اسلام سے عموماً یعقوب کندی (معاصر مامون الرشید) فارابی (متوفی ۳۳۹ھ) بوعلی ابن سینا۔ ابن مسکویہ (متوفی ۴۲۱ھ) اور رسائل اخوان الصفا کے مصنف مراد لیے جاتے ہیں۔ اب ذرا ان کا حال ملاحظہ ہو۔ امام غزالی نے بوعلی سینا کو اس بنا پر کافر کہا کہ وہ جسمانی معاد کے منکر تھے[۵۱]۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ "الملاحدۃ الباطنیہ" کا ذکر کرتے ہوئے بوعلی سینا کی نسبت فرماتے ہیں۔

[۵۲] وکان ابن سینا واهل بیته من اهل دعوتهم (ابن سینا اور اس کا خاندان باطنی فرقہ کا داعی تھا)

رسائل اخوان الصفا کے مصنف تو مسلم طور پر باطنی فرقہ کے پیرو تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اپنا نام تک ظاہر نہ کیا شیخ الاسلام نے اپنی تصنیفات میں بدلائل ثابت کیا ہے کہ رسائل کے مصنف باطنی تھے اور باطنی فرقہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ گمراہ اور باطل فرقہ ہے[۵۳]۔ اخوان الصفا کے مصنفین کے بعض نام وزیر قفطی نے اپنی کتاب "اخبار الحکما" میں نقل کیے ہیں[۵۴]۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کون بزرگ تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ نے اپنی کتاب "عمر خیام" میں حکمائے اسلام کے چہرہ کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے، بہتر ہے کہ اصل بحث کو عمر خیام میں بھی دیکھ لیا جائے۔

اب رہے متکلمین اسلام سو اس گروہ میں علامہ اسفرائنی۔ ابوبکر باقلانی۔ ابن فورک۔ امام الحرمین امام غزالی، امام رازی، شہرستانی وغیرہ حضرات شامل ہیں اور جو اسلام کے اچھے وکیل گزرے ہیں مگر ہمیں عقائد کے بارے میں طریق استدلال سے اختلاف ہے، ان میں سے اکثر ارسطو اور افلاطون کے طریق

---

[۵۱] دیکھو علامہ شبلی مرحوم کی کتاب علم الکلام ص۱۲۳ ۱۲

[۵۲] رسائل کبریٰ لابن تیمیہ ص۱۳۵ ۱۲

[۵۳] کتاب النبوات لابن تیمیہ ۱۲ [۵۴] تاریخ الحکما قفطی ذکر رسائل اخوان الصفا ۱۲

ہو، کیا فرق ہوتا ہے وہی بنیادی فرق ہے جس کی رو سے علاوہ دیگر شہادات کے، اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس سے پیشتر جس قدر آسمانی پیغامات انسان کو ملے تھے وہ اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں ہیں اور آج صفحۂ ہستی پر قرآن کریم ہی صرف ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جو حوادث ارضی و سماوی کی دستبرد سے محفوظ اور ذہن انسانی کی آمیزش سے منزہ ہے

---

(۱) توحید

ذات باری تعالیٰ کے متعلق اسلام کا بنیادی عقیدہ لا اِلٰہ الا اللہ ہے، دیکھنے میں تو یہ چار لفظ ہیں لیکن حقیقت میں کائنات کے چاروں گوشے سمٹ کر اسکے اندر آگئے ہیں تفصیل اس کی آگے الٰہ کے عنوان میں دیکھ چکے ہیں مطلب اس سے یہ ہے کہ وہ خدائے بزرگ و برتر اپنی ذات اور اپنی صفات دونوں میں واحد ہے، ایک ہے، لاشریک ہے قرآن کریم نے ایک مختصر سی سورت میں خدا کی توحید کو اس جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جوں جوں نگہ بصیرت اسپر غور کرتی ہے قرآنی اعجاز پر تصدق ہوتی جاتی ہے فرمایا:۔

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ [۱۱۲] کہہ دو اللہ ایک ہے،

یعنی وہ اپنی ذات میں ایک ہے یہاں سے اوّلاً مجوسیوں کے اس عقیدہ کا بطلان ہوگیا۔ جس کی رو سے وہ اہرمن و یزداں کو دو مستقل بالذات خدا مانتے ہیں۔

وَقَالَ اللّٰہُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـھَیْنِ اثْنَیْنِ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ [۱۶]

اور اللہ نے کہا ہے کہ دو خدا مت بناؤ معبود تو صرف ایک وہی ہے۔ سو صرف مجھ ہی سے ڈرو

اور عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی بھی تردید ہوگئی جس کی رو سے وہ باپ بیٹا روح القدس ایک میں تین۔ تین میں ایک خدا کے قائل ہیں۔

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ

استدلال کے شیدا تھے جسکے باعث عقائد کے اثبات میں وہ قرآن سے دُور جا پڑے، علامہ شبلی مرحوم خدا کے وجود پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> اُن تمام تقریروں سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ افلاطون اور ارسطو اس مسئلہ کو حل نہ کر سکے اور متکلمین نے بھی چونکہ اُن ہی کے نقشِ قدم پر چلے تھے۔ اسلئے وہ بھی ناکام رہے[1]!

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے علم و فضل سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ وہ کتاب النبوات میں متکلمین کو "اولئک المتکلمین المتبعین" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور ایک مقام پر تو صاف لکھتے ہیں کہ:۔

> ان کثیرًا مما یتکلم المتکلمون باطل (متکلمین کی اکثر باتیں غلط اور باطل ہیں[2])۔

علاوہ ازیں اسلام میں اگرچہ امام غزالیؒ اور امام رازی کا پایہ بہت بلند ہے اور انکی خدماتِ علمی و تفسیری سے مسلمان، قیامت تک بھی سبکدوش نہیں ہو سکتے تاہم خود انہیں سے پوچھو کہ انکے نزدیک علمِ کلام کا کیا درجہ ہے۔ امام غزالیؒ تمام منازل طے کرنے کے بعد علمِ کلام کی بحثوں سے توبہ کر لیتے ہیں اور نہ صرف توبہ بلکہ اس کی سخت مذمت بھی فرماتے ہیں[3]۔ امام رازی جو متکلمین میں بہت بلند درجہ رکھتے ہیں۔ اُنکا اپنی آخری عمر میں یہ اعتراف سُننے کے قابل ہے۔

> قد تاملت طرق الکلامیة و مناہج الفلسفیة فما رأیتھا تشفی علیلاً و لا تروی غلیلاً و رأیت اقرب الطرق طریقة القران۔
>
> (میں نے علمِ کلام اور فلسفہ پر خوب غور کیا مگر میں نے دیکھا کہ ان سے نہ تو کسی مرض کا ازالہ ہوتا ہے اور نہ قلب کو اطمینان، میں نے تو یہ دیکھا کہ قرآن حکیم ہی کا طریقہ عقل و ضمیر سے اقرب تر ہے[4])

---

[1] الکلام صفحہ ۳۵ ۱۲ ۔ [2] الرد علی المنطق لابن تیمیہ بحوالہ علم الکلام "شبلی" صفحہ ۱۵۴ ۱۲

[3] اسکے لئے امام صاحب کی کتاب "التفرقہ بین الاسلام والزندقہ" اور "المنقذ من الضلال" کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔ ۱۲

[4] الفرقان لابن تیمیہ مشمولہ رسائل کبریٰ صفحہ ۱ ۱۲

اللہ

عِیسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ فَآمِنُوا
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ
سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ
وَكِيلًا ۴/۱۷۱

اے اہل کتاب۔ تم اپنے دین میں حد سے مت باہر نکلو۔ اور خدا کی شان میں حق کے سوا اور کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ اللہ کا رسول اور اسکا کلمہ ہے۔ جسے اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اس کی طرف کا روح ہے۔ سو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور یوں مت کہو کہ (خدا) تین ہیں۔ باز آ جاؤ۔ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ معبود حقیقی تو ایک ہی معبود ہے۔ وہ صاحب اولاد ہونے سے منزہ ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملکیت ہے اور اللہ کارساز ہونے میں کافی ہے۔

دوسری جگہ ہے۔

لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَ
إِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۵/۷۳

یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا ایک ہے۔ حالانکہ بجز ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں۔ اور اگر یہ لوگ ان باتوں سے باز نہ آئے تو جو لوگ ان میں کافر رہیں گے۔ انپر دردناک عذاب واقع ہوگا۔

یہ تو شرک کی پہلی قسم ہے کہ خدا کی ذات میں دوسروں کو شریک ٹھیرایا جائے یعنی ایک سے زیادہ خدا مانے جائیں۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اُسکے کاروبار میں۔ اُسکے حکم وارادہ میں۔ دوسری قوتوں کو شریک کار سمجھ لیا جائے۔ ہندوں کے عقیدہ کے مطابق برہما خدا کا نام ہے جو پیدا کرنیوالا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ وشنو صفت ربوبیت کا مالک ہے اور شو فنا اور ہلاکت کا خدا ہے۔ ان کے علاوہ تمام دیوی دیوتا مختلف شعبہ جات قضا وقدر کے مختار ہیں۔ لیکن قرآن کریم اسکی بھی تردید کرتا ہے۔

گویا جس علمی سمندر میں انہوں نے ساری عمر شناوری کی اس کا آخر نتیجہ خود ان ہی کے الفاظ میں یہ نکلا کہ اس سمندر سے کسی کی پیاس نہیں بجھ سکتی۔

(نوٹ) دورِ ثانی کے الہلال میں مولانا ابوالکلام آزاد کے قلم سے "حجت ابراہیمی" کے زیرِ عنوان مضمون کا ایک سلسلہ شائع ہوا تھا جو کسی طالب قرآن کے شکوک کے جواب میں تھا اس میں مولانا آزاد نے امام رازیؒ کے طریق استدلال پر جس طرح ماتم کیا ہے اور اس کو جن الفاظ میں غیر قرآنی اور قرآن سے دور کر دینے والا بتایا ہے وہ الہلال دورِ ثانی کو سامنے رکھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے۔

امید ہے کہ جو لوگ علم کلام سے واقف نہیں ہیں اور حکماء اسلام اور متکلمین اسلام کی اصطلاحوں سے مرعوب ہو کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جو شخص انکے طریق استدلال پر تنقید کرتا ہے وہ (نعوذ باللہ) انکی تحقیر کرتا ہے۔ ان کو شبہات سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ سطور کافی ہونگی۔

ہم اسلاف میں سے کسی کی تحقیر و تذلیل کے خیال تک کو جائز نہیں سمجھتے۔ لیکن ان میں سے کسی کے ذاتی خیال کو تنقید سے بالاتر قرار نہیں دیتے۔ کہ ایسا کرنا شخصیت پرستی ہے۔ جس کی قرآن کریم اجازت نہیں دیتا والعزۃ للہ۔

خط و کتابت

کرتے وقت اپنا پتہ صاف اور خوش خط لکھیے!

الله

مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۱۸/۲۶

لوگوں کے لیے اسکے سوا کوئی کارساز نہیں۔ اور وہ اپنے حکم میں کسی اور کو شریک نہیں کرتا

جب کوئی اُسکے حکم و ارادہ میں شریک نہیں ہو سکتا تو پھر کارساز کیسے بن سکتا ہے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۱۴

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

کہیے کہ کیا میں اللہ کے سوا جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنیوالا ہے اور وہ (سب کو) سورۃ الانعام ۱۴

کھانے کو دیتا ہے اور اُسے کوئی نہیں کھلاتا کسی اور کو کارساز بنالوں کہیے کہ مجھے حکم

ہوا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کروں۔ اور تم مشرکین میں سے مت ہو جانا"

دیوی دیوتاؤں کے بعد انسانوں نے خدا کے رسولوں کو ہی خدا بنالیا یہ وہ خطرناک گھاٹی ہے جہاں سے دُنیا کے کسی سابقہ مذہب کے پیرو بچ کر نہیں نکل سکے حتےٰ کہ بُدھ مت اور جین مت جن کی تعلیم میں خدا کا تصور ہی کہیں نہیں۔ اُن کی بھی یہ حالت ہوگئی کہ مہاتما بُدھ اور مہاویر کی وفات کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد اُنکے بُت تراش لئے گئے اور اُن کی عام پرستش ہونے لگی چین میں کنفیوشس نے دیوتاؤں کی پرستش کی مذمت کی تھی لیکن آج چین کے مندروں میں انہی کے مجسموں کی پوجا کیجا رہی ہے

اہل چین کا دوسرا مذہب TAOISM ہے اسکا بانی ایک لائبریرین LAO-TZE تھا۔ اُس نے جاپان اور چین کے مذاہب

بھی کہیں بت پرستی کی تعلیم نہیں دی۔ لیکن گزشتہ دو ہزار سال سے اُسکے بُت کی بھی پرستش ہوتی چلی

آرہی ہے، جاپان میں مہاتما بُدھ کے مجسمات کے ساتھ ساتھ خدا کے مظاہر یعنی اس تلوار اور آئینہ

کی پرستش بھی کی جاتی ہے جو اُنکے قدیم مذہب (SHINTO) کے مطابق سُورج کی دیوی نے اپنے پوتے یعنی

جاپان کے پہلے شاہنشاہ کے حوالہ کئے تھے مسیحیت میں حضرت عیسٰیؑ کی الوہیت کے ساتھ ساتھ اُنکے

اور حضرت مریمؑ کے مجسموں کی پرستش کیجاتی ہے، ہندوؤں میں اوتار کا عقیدہ بھی اسی "رسول پرستی"

کی جھلک ہے۔ قرآن کریم نے اِس دروازہ کو اس مضبوطی سے بند کر دیا کہ ذہنِ انسانی کی کوئی خوش عقیدگی

اسے کھول نہ سکے۔ اسکی تفصیل آپکو رسالت کے عنوان میں ملیگی یہاں صرف ایک آیت پر اکتفا کیا جاتا فرمایا۔

تفسیر اسرار خودی مبحث ششم

(از خان محمد یوسف خاں سلیم چشتی)

(گزشتہ سے پیوستہ)

جواب اول

اگر جبر کے معنی اطاعت اور اختیار کے معنی حکومت کے لیے جائیں تو اس سوال کا جواب یہ ہوگا کہ حکومت کے لیے صلاحیت شرطِ اولین ہے اور یہ صلاحیت، ایک زبردست ڈسپلن سے پیدا ہوتی ہے اور ڈسپلن' اطاعت ہی کا دوسرا نام ہے +

حکومت وہ قوم کرسکتی ہے جسنے قومی اور انفرادی سیرت (اخلاق) کی تکمیل کرلی ہو۔ اور کیرکٹر کی تکمیل اُسوقت تک ناممکن ہے جب تک ان اصُولوں کی پابندی نہ کی جائے، جو انسانی کریکٹر (سیرت) کو پختہ اور اُستوار کرتے ہیں اور اصُولوں کی پابندی کا دوسرا نام اطاعت ہے

انگریزوں کو دیکھیے وہ ربع مسکون پر حکمراں ہیں لیکن کیوں؟ کیا اس لیے وہ اَبناء اللہ ہیں؟ ہرگز نہیں کیا اس لیے کہ وہ سفید فام ہیں؟ ہرگز نہیں۔ محض اس لیے کہ انھوں نے ایک (RIGID DISCIPLINE) شدید پابندیٔ نظام کو اپنا شعار حیات بنا رکھا ہے اور صدیوں سے وہ اسکے پابند چلے آرہے ہیں جس کی بنا پر ان کی قومی سیرت کی تکمیل ہوگئی ہے اور اطاعت کا رنگ اُنکے رگ و پے میں سرایت کرگیا ہے۔

اطاعت کی رُوح:- اطاعت کی رُوح قربانی ہے' اسی لیے اسلام کی بنیاد بھی قربانی پر رکھی گئی ہے۔

حسین و سادہ و رنگین ہے داستان حرم
نہایت اسکی حسینؓ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

(نہایت یعنی انتہا)

قربانی کے کیا معنی' اور کس کی قربانی؟ دُنبوں اور بکریوں کی قربانی جو مسلمان صدیوں سے کرتے چلے آرہے ہیں؟ نہیں بلکہ انفرادی خواہشات اور قلبی آرزوں کی قربانی، ذاتی اور شخصی راحت اور آرام کی قربانی، اور اولاد کی قربانی +

دُنبوں کی قربانی کسی قوم کے افراد کی تعداد میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ لیکن قومی سیرت

کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ اسکے لیے اپنی قربانی درکار ہے، اطاعت کے معنی ہیں دوسروں کے احکام لو اپنی خواہشات پر مقدم کرنا مثلاً میرا دل چاہتا ہے کہ ہلیٹ کروں لیکن قوم حکم دیتی ہے کہ نہیں ساری زندگی سمندروں کی گہرائی معلوم کرنے میں صرف کرو۔ تو مجھے اپنی خواہشات کو بالائے طاق رکھ دینا چاہیئے۔ اطاعت کے معنی ہیں، افراد کو قوم کی بہبود کے لیے قربان کر دینا مثلاً جب ۱۸۵۷ء میں انگریز لفٹنٹ ولوبی (WILLONC H B) نے جو دلی میگزین کا انچارج تھا، یہ دیکھا کہ میگزین عنقریب ہمارے دشمنوں کے قبضہ میں آنے والا ہے تو وہ اسکے ساتھ بارہ سپاہی سب کے سب بارود کو آگ لگا کر بھک سے اُڑ گئے اور اُڑتے اُڑتے، حکومت ہند کا منشور اپنی قوم کے نام لکھ گئے۔

اطاعت سے کیا پیدا ہوتا ہے

اطاعت سے افراد میں یکسانیت کا رنگ پیدا ہوتا ہے کیونکہ ہر فرد، ایک ہی مقصد کے حصول کے لیے، ایک ہی ضابطہ کی پابندی کرتا ہے اور اس کا رنگ یکسانیت سے یک نگاہی پیدا ہوتی ہے یک نگاہی کیا چیز ہے؟ جملہ افراد کا ایک ہی مقصد کے درپے ہونا

مردۂ؟ از یک نگاہی زندہ شو!
بگزر از بے مرکزی پائندہ شو!

اور جب کوئی قوم زندہ ہو جاتی ہے تو پھر حکمرانی کیا دشوار ہے؟

آج اگر مسلمانوں کو حکومت حاصل ہو جائے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ ایک عالم دوسرے عالم کے خون کا پیاسا، ایک مذہبی جماعت دوسری جماعت سے برسرپیکار اور ایک گروہ دوسرے گروہ کا کو فنا کرنے پر آمادہ نظر آئے گا، یہی تو وجہ ہے کہ اس قوم سے حکومت چھین لی گئی۔

الغرض اختیار، تکمیل اخلاق حسنہ پر موقوف ہے اور اخلاق کی تکمیل، دستورالعمل کی پابندی پر منحصر ہے اور اسی پابندی کا دوسرا نام اطاعت ہے

جوابِ ثانی

اگر جبر و اختیار کو مصطلحاتِ فلسفہ قرار دیا جائے تو پھر اُسکے یہ معنی ہونگے کہ فرض کر لیجئے انسان مجبور ہے، جیساکہ وہ بعض اُمور میں نظر آتا ہے، تو اب قدرتی طور سے ہر مجبور، مختاری کا طالب ہے، پس حصُولِ اختیار کی صوُرت یہ ہے کہ حالتِ صبر پر سرِ تسلیم خم کردو۔

انسان کی عادت یہ ہے کہ وہ سرِ تسلیم خم کرنا نہیں چاہتا۔ ہر لحظہ طغیان اور سرکشی پر آمادہ رہتا ہے نتیجہ اس کا یہ نکلتا ہے کہ آخر دم تک اس میں شانِ اختیار پیدا نہیں ہوتی۔

لیکن اگر انسان ایک مرتبہ اِس عقیدہ پر جم جائے کہ میں ہمیشہ اللہ تعالےٰ کی مشیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کردونگا کیونکہ اسکے علاوہ کسی میں نفع یا نقصان پہونچانے کی طاقت نہیں ہے، تو اس استقامت کی بدولت، اس میں ایک بات یہ پیدا ہو جائے گی :-

پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست

یعنی یہ صفت اسکو بے خوف اور نڈر بنا دے گی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ کسی دنیاوی طاقت سے مرعوب نہ ہوسکیگا اسکے اندر (WILL TO CONQUER) تسخیرِ کائنات کا ایک جذبۂ بے پناہ پیدا ہو جائے گا، اور یہ جذبہ اسکے جبر کو اختیار میں تبدیل کر دیگا۔ یعنی اگرچہ خدا نے انسان کو مجبور بنایا ہے لیکن جب وہ انسان مسلکِ جبر پر عامل ہوکر اپنے اندر شانِ اختیار پیدا کرے گا تو خدا بھی اُسے مختار بنا دیگا۔ اور اگرچہ بظاہر وہ مجبور ہی نظر آئے گا لیکن بباطن اس کی تلوار اقوامِ عالم کی قسمتوں کا فیصلہ کیا کرے گی :-

جبرِ خالد عالمے برہم زند +

جبرِ ما بیخ و بنِ ما برکند +

حضرت خالدؓ بھی ہماری طرح مجبور پیدا ہوئے تھے لیکن انھوں نے غیر اللہ کا خوف دل سے نکال دیا، اور سوائے خدا کے ساری کائنات کو ہیچ یقین کیا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ غزوہ موتہ

میں تو تلواریں اُن کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں۔ اور ان ٹکڑوں نے قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کے ٹکڑے کر دیئے۔

ہم بھی خالدؓ کی طرح مجبور پیدا ہوئے ہیں لیکن ہم نے اللہ تعالیٰ کے بجائے "قوت فرمانروا" کو اپنا معبود قرار دیا اور غیر اللہ کے خوف سے اپنی خودی کو مُردہ کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری پیشانیوں پر غلامی کا داغ لگا ہوا ہے۔ اور تلوار کے ٹکڑوں کی جگہ ہماری جھولیوں میں بھیک کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں ؛۔

الغرض حضرت خالد بھی مجبور تھے۔ اور ہم بھی مجبور ہیں یعنی جہاں تک عقیدۂ جبر و اختیار کا سوال ہے۔ ہمارے علمائے اہلسنت یہی کہیں گے کہ دونوں مجبور ہیں لیکن پھر کیا وجہ ہے کہ خالدؓ نے مجبوری کے باوجود سلطنتوں کے تختے اُلٹ کر رکھ دیئے اور ہم اپنی غلامی کی زنجیروں کو بھی نہیں توڑ سکتے ؟

اسکی وجہ یہی ہے کہ خالدؓ کا طریق حیات کچھ اور تھا۔ ہمارا طریق حیات کچھ اور ہے خالدؓ کا مسلک تھا اطاعت، ہمارا مسلک ہے بغاوت، جب طریق حیات مختلف ہے تو نتائجِ حیات بھی لازمی طور سے مختلف ہونگے۔

خالدؓ دستورِ الٰہی کی اطاعت کرتے تھے ہم دستورِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں پھر غلط کیا ہے جو اکبر لکھتے ہیں ؎

ہم میں باقی نہیں اب خالدِؓ جانباز کا رنگ
دل پہ غالب ہے فقط حافظِ شیراز کا رنگ

مشاہدۂ فطرت

کارگاہ فطرت پر نظر ڈالو ہر جگہ قانون کی پابندی یعنی اطاعت کا رنگ نظر آئے گا۔ ع

ذرہ ذرہ دہر کا زندانیٔ تقدیر ہے

کارگاہِ فطرت میں جو چیز اطاعت نہیں کرتی وہ زندہ نہیں رہ سکتی (باقی آئندہ)

کس نداند جلوۂ آب از شراب | انقلاب! اے انقلاب!! اے انقلاب!!!
اے ترا ہر لحظہ فکرِ آب و گِل | از حضورِ حق طلب یک زندہ دل
اے جواںؔ دامانِ او محکم بگیر | در غلامی زادہ ء آزاد میر +

پس نہ تو یہ درست ہے کہ اقبالؒ کی تمام تر شاعری مذہب کے تنگ دائرہ میں محدود ہو کر رہ گئی اور نہ یہ کہ اقبالؒ کی آخری شاعری میں وہ وسعت نہ رہی جو آپ کی ابتدائی (وطنی) شاعری میں تھی جہاں تک حب الوطنی کا تعلق ہے مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ امر واضح ہے کہ وطن کے متعلق جو نظریہ حضرت علامہؒ نے برسوں ہوئے "بانگ درا" میں پیش کیا تھا' وہ آپکے آخری مجموعہ کلام میں کس قدر بلند' وسیع اور دلکشا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اقبالؒ صرف مسلمانوں ہی کا خیرخواہ نہیں بلکہ اُسکے دل میں تمام شرق کا درد تھا حب الوطنی کے جذبے نے علامہؒ کی شاعری کو ہندوستان تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ آپ کے تخیل کی وسعت تمام براعظم ایشیا پر چھا گئی "ضرب کلیم" کے صفحۂ اول پر ہے۔

زمانہ با اُمم ایشیا چہ کرد و کُند +
کسے نہ بود کہ ایں داستاں فرو خواند

اسی کتاب کے صفحہ ۱۲ پر پہلا شعر ہے۔

عطا ہوا خس و خاشاک ایشیا مجھ کو
کہ میرے شعلے میں ہے سرکشی و بیباکی

گویا اقبالؒ پنجابی اور ہندوستانی کی حدود سے نکل کر تمام اقوام مشرق سے (جن میں چینی' جاپانی' ایرانی و افغانی بھی شامل ہیں) یوں مخاطب ہوتے ہیں۔

پس چہ باید کرد اے اقوام شرق! | باز روشن می شود ایام شرق
اے ز کارِ عصر حاضر بے خبر | چرب دستیہائے یورپ در نگر
قالی از ابریشم تو ساختند + | باز او را پیش تو انداختند +

لہ یہاں جوان سے مراد مسلمان نہیں بلکہ ہر ہندی غلام

چشم تو از ظاہرش افسوں خورد — رنگ و آب او ترا از جا برد
وائے آں دریا کہ موجش کم تپید — گوہر خود را ز غواصاں خرید

"جاوید نامہ" میں ایک اور نکتہ پیش کرتے ہیں جس کی وسعت کے سامنے شرق و مغرب کی حدیں "قاب قوسین" کے مصداق نظر آتی ہیں، ارشاد ہوتا ہے۔

آں کف خاکے کہ نامیدی وطن — ایں کہ گوئی مصر و ایران و یمن
با وطن اہل وطن را نسبتے است — زانکہ از خاکش طلوع ملتے است
اندریں نسبت اگر داری نظر — نکتۂ بینی ز مو باریک تر
گرچہ از مشرق بر آید آفتاب — با تجلی ہائے شوخ و بے حجاب
در تب و تاب است از سوز درون — تا ز قید شرق و غرب آید بروں
بر دمد از مشرق خود جلوہ مست — تا ہمہ آفاق را آرد بدست
فطرتش از مشرق و مغرب بری است — گرچہ او از روئے نسبت خاوری است

یہ چند اقتباسات شاہد ہیں کہ علامہؒ کے دل میں "وطن" کی محبت کسی سے کم نہیں وہاں یہ بھی ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک مرد حُر کا کوئی وطن نہیں، یہ تمام کرۂ ارضی مردان مجاہد کی "میراث" ہے لیکن اس بلند پایہ اور وسیع جذبہ کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کا قول ہے کہ :۔

ہر ملک ملک ماست کہ مُلک خدائے ماست

ہندوستان کے غلام اس جذبہ کو کیا سمجھیں گے جن کی "حُب الوطنی" صرف ہندوستان تک محدود ہے

اقبال اور مذہب

یہ اعتراض کہ اقبالؒ کی شاعری مذہب تک محدود ہو کر رہ گئی کیسا عظیم الشان دھوکہ ہے حالانکہ اقبالؒ کی شاعری کی تمام وسعت محض مذہب ہی کی بدولت ہے۔ اقبالؒ مذہب کا دلدادہ تھا۔

مرا سبو چہ غنیمت ہے اس زمانہ میں — کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو
مرے سبو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب — نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

ہندوستان کے مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے مرض کے متعلق ارشاد ہے۔

مُسلمِ ایں کشور از خود نا اُمید + عمرہا شد با خدا مردے ندید +
لاجرم از قوتِ دیں بدظن است کاروانِ خویش را خود رہزن است
از سہ[1] قرن ایں اُمتِ خوار و زبوں زندہ بے سوز و سرور اندروں
پست فکر و دُوں نہاد و کُور ذوق مکتب و مُلائے او محرومِ شوق +
زشتیٔ اندیشہ او را خوار کرد + افتراق او را زخود بیزار کرد +
تا ندانداز مقامِ دمنزلش + مُرد ذوقِ انقلاب اندر دلش
طبع او بے صحبتِ مردِ فقیر خستہ و افسُردہ و حق ناپذیر +
بندۂ زر کردۂ مولاست اُو مُفلس و قلّاش و بے پرواست اُو
پنے بکف مالے کہ سُلطانے بُرد + نے بدل نُورے کہ شیطانے بُرد

شیخ اولُرڈِ[2] فرنگی را مُرید
گرچہ گوید از مقامِ بایزید +

اسلام پر ایسے انحطاط کے دَور کئی آئے اور گزر گئے۔ عہدِ عباسیہ کے آخری ایام میں مسلمانوں کی حالت ہندوستان کی موجودہ حالت سے کم نہ تھی۔ لیکن یہ حقیقت وضاحت طلب نہیں کہ آج کل ہم ایسے مرض میں مبتلا ہیں جو عہدِ عباسیہ یا اسلام کے کسی اور دَورِ انحطاط میں ناپید تھا اور وہ غلامی ہے بقول علامہؒ

آدم از بے بصری بندگیٔ آدم کرد گوہرے داشت ولے نذرِ قباد و جم کرد
یعنی از خوئے غلامی زسگاں خوار تر است من ندیدم کہ سگے پیشِ سگے سر خم کرد

غلامی مذہبی روح کے گم ہونے ہی سے پیدا ہوتی ہے، علامہؒ کے نزدیک مذہب کے بغیر مُسلمان مُسلمان نہیں رہ سکتا

تا کجا بے غیرتِ دیں زیستن !
اے مسلماں مردن است ایں زیستن

---

[1] اس لیے کہ دین اُسے محض ایک ذہنی لباس نظر آتا ہے [2] انگریزی لفظ لارڈ کا مفرس ہے

مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے غیر متعصب اصحاب کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اور اسی وجہ سے عالمگیر مذہب ہے۔ اسلام دُنیا بھر کے مذاہب میں ایک خصوصیت کا مالک ہے، اور وہ یہ ہے کہ اسلام "خدا کے ساتھ انسان کے انفرادی طور پر ذاتی عقیدہ کا نام نہیں ہے، بلکہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیاتِ اجتماعی کا نام ہے"۔

ہست دینِ مصطفےٰ دینِ حیات
شرعِ او تفسیرِ آئینِ حیات!

اور مسلمان کا کوئی فعل مذہب کی روح سے خالی نہیں ہو سکتا۔

۱۔ اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی!
انکی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری،
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں — اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی،

۲۔ قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں — جذبِ باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں

۳۔ ملتِ ما را اساسِ دیگر است — ایں اساس اندر دلِ ما مضمر است،

("دیگر است" یعنے اور اقوام کی طرح خاک و خون پر منحصر نہیں بلکہ ایمان پر ہے جو دل میں مضمر ہے)

۴۔ از رسالت ہم نوا گشتیم ما — ہم نفس، ہم مدعا گشتیم ما
کثرتِ ہم مدعا وحدت شود — پختہ چوں وحدت شود ملت شود

علامہؒ کا مذہب قدامت پسند ملاؤں کی طرح نہیں ہے جو طہارت کے مسائل ہی میں ختم ہو جاتا ہے اقبالؒ کا مذہب اپنی پریشان خاطر اور مُردہ قوم میں اسلام کے صحیح جذبات یعنی اخوت، اتحاد اور خودداری کا پیدا کرنا ہے، ترکانِ احرار کو جو شومیٔ قسمت سے دُور زماں کی لپیٹ میں آگئے تھے علامہؒ انکے اصلی مقام سے یوں آگاہ کرتے ہیں:-

سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا
ستارے جنکے نشیمن سے ہیں زیادہ قریب

ترکان کمال بھی ہمارے معترض کی طرح اس غلطی کا شکار ہوئے ہیں کہ دین اور سیاست میں کوئی رابطہ نہیں، چنانچہ دیکھئے اسپر علامہؒ فرماتے ہیں:۔

خودرا با دلِ خود ہمسفر کن ٭ ٭ دمے بر ملتِ ترکاں نظر کن ٭

بہ تقلید فرنگ از خود رمیدند ٭ میانِ مُلک و دیں ربطے ندیدند

علامہ اقبالؒ کے مندرجہ ذیل اشعار میں دُنیائے اسلام کی ارتقا اور وسعتیں مُلاحظہ ہوں۔

1۔ یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید ٭ کہ آرہی ہے دما دم صدائے کُن فیکون

2۔ رہ یک گام ہے ہمت کے لیے عرشِ بریں ٭ کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

3۔ پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مُسلماں کی ٭ ستارے جسکی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

4۔ عجب کیا گر مہ و پرویں ترے نخچیر ہو جائیں ٭ "کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بستم سرِ خود را"

5۔ مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے اس کا ٭ وہ مشتِ خاک ابھی آوارگانِ راہ میں ہے

6۔ غلامِ ہمتِ بیدار آں سوارانم ٭ ستارہ را بسنانِ سُفتہ در گرہ بستند ٭

7۔ فرشتہ را دگر آں فرصتِ سجود کجاست ٭ کہ نوریاں بتماشائے خاکیاں مستند

8۔ در معرکہ بے سوزِ تو ذوقے نتواں یافت ٭ اے بندۂ مومن تو کجائی؟ تو کجائی؟

9۔ اگر عنانِ تو جبریل و حور می گیرند ٭ کرشمہ بر دلِ شاں ریز و محرمانہ گزر

10۔ یہ نیلگوں فضا جسے کہتے ہیں آسماں! (ق) ہمت ہو پَرکشا تو حقیقت میں کچھ نہیں

بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں ٭ زیرِ پر آگیا تو یہی آسماں زمیں

یہ اشعار علامہؒ کے تخیل کی محض پرواز نہیں، بلکہ تاریخی شواہد ہیں۔ اقبالؒ کے مذہب کی وسعتوں کے سامنے بحر و بر تو کجا دو جہاں کی وسعتیں تنگ نظر آتی ہیں۔

چہ عجب اگر دو سلطاں بولایتے نگنجند ٭

عجب اینکہ می نگنجد بدو عالمے فقیرے

اقبال اور قومیت:۔ وطنیت اور مذہب کی طرح قومیت کے متعلق بھی علامہؒ کی رائے عالمگیر تھی۔ اس

غلام آباد میں جہاں کے باشندے مختلف ادیان، مختلف زبانوں اور مختلف فرقوں کے پیرو کار ہیں ان کے لیے قومیت سے متعلق ایسے بلند اور ہمہ گیر نظریہ کی ضرورت تھی جو سب پر حاوی ہو جائے، علامہ نے جو خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم لیگ الہ آباد کے سیشن میں دسمبر ۱۹۳۰ء میں دیا، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مشرق خصوصاً ہندوستان کی نجات کے لیے کس قسم کی قومیت درکار ہے آپ کے خطبہ کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ اسلام دیگر مذاہب کی طرح ایک ذاتی عقیدہ کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو نسل انسانی کے سیاسی، معاشرتی و تمدنی تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور جس کا نظام الہامی آئین سے وابستہ ہے۔

۲۔ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب ملک و نسب پر مبنی ہیں اور روحانی اور دنیوی زندگی کو الگ الگ سمجھتے ہیں اس تخیل کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی سیاست مذہبی روح سے بالکل خالی ہے اور دنیا کے ممالک مثلاً یورپ زمین کے غیر مرتب اور بیشمار ٹکڑوں میں منقسم ہو گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا مقصد محض محدود قومی اور وطنی مفاد ہے نہ کہ نسلِ انسانی کی بہتری۔ یہ جماعتی خود غرضی ہے، انفرادی خود غرضی کو سب خود غرضی کہتے ہیں مگر جماعتی خود غرضی کو اسلام کے سوا کوئی خود غرضی نہیں سمجھتا۔ اتحادِ نسلِ انسانی اسلام اور صرف اسلام کا مقصد ہے۔

۳۔ رینان کا قول ہے کہ انسان نہ تو اپنی قوم کا حلقہ بدوش ہے اور نہ اپنے مذہب کا اور نہ ہی دریاؤں کے رخ اور سلسلہ ہائے کوہ کا غلام ہے، قوم ایک سلیم العقل اور زندہ دل گروہ عظیم کے اخلاقی رو سے متحد ہونے کا نام ہے علامہ کے نزدیک قومیت کی اس قسم کی تعریف ہندوستان پر اسی وقت صادق آ سکتی تھی جب اس میں کبیر کی تعلیم یا اکبر اعظم کا دینِ الٰہی برسرِ اقتدار رہتا، مگر یہ ملک مختلف ذاتوں، مذہبوں اور زبانوں کا گہوارہ ہے اور ان مختلف فرقوں میں سے کوئی ایک بھی کسی بڑے اور مکمل فرقے میں مجموعی طور پر جذب ہونے کے لیے کسی حالت میں بھی تیار نہیں اور اپنا وجود ہر حالت میں علیحدہ قائم رکھنا چاہتا ہے جب صورت حال یہ ہو تو ہندوستان میں ایک عالمگیر قوم کا قیام صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہر چھوٹی اور بڑی جماعت کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ اپنے مذہب اور تمدن پر کاربند رہکر باقی اقوام کے ساتھ مجموعی حیثیت سے تعاون کرے۔

۴۔ اقبالؒ کا قول ہے کہ "اگر ایک فرقہ دوسرے فرقہ یا فرقوں کا بدخواہ ہو تو وہ یقیناً کم ظرف اور قابل نفرت ہے۔ میں دوسری اقوام کی رسومات، اُنکے آئین و قوانین اور مذہبی و معاشرتی درسگاہوں کا دل سے احترام کرتا ہوں اور یہی قرآنی تعلیم ہے، چنانچہ اگر ضرورت پڑے تو اغیار کے معابد کی حفاظت کرنا بھی میرا فرض ہے۔ لیکن باوجود اس بات کے میں اس فرقہ پسند گروہ کو دل سے چاہتا ہوں جو میری زندگی اور وضع کا مبدا ہے اور جس نے مجھے اپنا مذہب، علم، خیال، تمدن دیکر اپنے تمام ماضی سے میری موجودہ حالت کو از سرِ نو تازہ کر کے مجھے وُہ کچھ بنایا جو کچھ کہ میں ہوں"

یہ وہ بنیادی تخیل ہے جسنے علامہؒ کی شاعری کو "مذہب" میں محدود کر دیا۔ اور جس پر معترض چیں بجبیں ہے

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ❊ چشمۂ آفتاب راچہ گناہ ❊

اقبالؒ کے اِسی نظریہ کو "ڈیلی ہیولڈ" نے اپنی اشاعت مؤرخہ ۲۵ اپریل ۱۹۳۸ء میں بدیں الفاظ سراہا ہے:-

"...... آپکی یاد میں ہر دوست و دشمن نے خراجِ تحسین ادا کیا۔ سر محمد اقبالؒ کی شہرت صرف شاعری کے خداداد عطیہ ہی کیوجہ سے نہ تھی بلکہ آپکی سیاستدانی کا بھی اس میں زبردست حصہ ہے لیکن آپ کی خدمات بحیثیت ایک فلاسفر کے آئندہ نسلوں کے لیے یادگار ہیں۔ سر محمد اقبالؒ اپنی زندگی خصوصاً اپنی آخری ایام میں غلطی سے فرقہ پسند سمجھ لیے گئے مگر حقیقت یہ ہے کہ آپکی فرقہ پسندی بھی "بین الاقوامیت" پر مبنی تھی۔ نسلِ انسانی کی خدمت اور اتحاد آپکا ایمان تھا، اسلام کے ذریعے سے خالقِ حقیقی اور مخلوقِ خدا دونوں کی خدمت بھی آپ کے ایمان میں شامل تھی، پان اسلامزم آپکے نزدیک سیاسی عقیدہ نہ تھا۔ بلکہ بنی نوعِ انسان میں روحانی طریق سے اتحاد پیدا کرنا تھا سر اقبالؒ کے نزدیک مذہب اور سیاست میں کوئی فرق نہ تھا۔[1]

"جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"

آپ کا مذہب تمام چیزوں پر محیط تھا۔ بحیثیت ایک صوفی کے آپکا ایمان تھا کہ تمام مذاہب حق پر ہیں، لیکن اسلام آپ کے نزدیک تمام مذاہب کے بہترین اصولوں کا مجموعہ ہے۔ زندگی کے آغاز میں آپ صرف ایک سیاست داں اور محبِ وطن تھے۔ لیکن محض حبِ وطن آپکے جذبہ

---

[1] علامہ کا مصرعہ ہے ۱۲

"خدمت" اور قربانی کے لئے کافی نہ تھی یہ چیز ہے جو آپکے شدید مذہبی جذبہ اور بانیٔ اسلام کے عقیدہ کی شرح کرتی ہے"۔[1]

تربیت کا یہ بلند ترین معیار اقبالؒ کے مذہب سے سیکھا جیسا کہ مذکورۃ الصدر خطبۂ صدارت کے شروع میں وہ خود فرماتے ہیں۔"میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسلام کے مطالعہ میں صرف کیا ہے اور اس کے قوانین نظام حکومت، تہذیب و تمدن، تاریخ و ادبیات سے پوری واقفیت بہم پہونچائی ہے"۔

اقبالؒ غلامی کے سخت دشمن تھے، یہ مسلم ہے کہ اس شیدائی مذہب نے آزادی (ضد غلامی) کا سبق دیگر امور کی طرح مذہب (اسلام) ہی سے سیکھا جسے وہ انسانیت کبریٰ کے نام سے نامزد کرتے ہیں اگر یہ مان لیا جائے کہ اقبالؒ کی شاعری مذہب تک محدود ہے تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ آپکی محدود تعلیم (تعلیم خودی و آزادی) بھی مسلمانوں کے لئے ہے دوسری اقوام کے لیے نہیں ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ آپ ایشیا بھر کی غلام اقوام کی آزادی کے خواہشمند ہیں۔ ع پس چہ باید کرد اے اقوام شرق

مقام حیرت ہے کہ باوجود اُن تصریحات کے جن کا اظہار علامہؒ نے اپنے کلام میں جا بجا کیا ہے معترض کو علامہؒ کے مسلک سے "شدید اختلاف" ہے شاید علامہؒ نے ایسے ہی معترضین کی شان میں کہا تھا کہ:-

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب | کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

اقبالؒ کی بے تعصبی

اقبالؒ مذہب کے شیدائی تھے لیکن آپکا مذہب نہ تو "تنگ" اور "محدود" تھا اور نہ اس میں تعصب کے لیے گنجائش تھی۔ اُنکے مذہب کی "تنگی" کی وضاحت اوپر کیجا چکی ہے لیکن تعصب کی بنا پر اُنکے "تنگ نظر" ہونے کا الزام اگرچہ اعتراض میں واضح نہیں ہے لیکن چونکہ لامذہبوں کی یہ عادت ہوگئی ہے کہ جہاں مذہب کا نام آیا اور انہوں نے متعصب کہنا شروع کر دیا اسلئے یہ جتا دینا ضروری ہے کہ علامہؒ تعصب کے سخت دشمن تھے۔ اور دُنیا کو اس سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔"بانگ درا" میں اپنی مشہور نظم "تصویر درد" میں فرماتے ہیں۔

تعصب چھوڑ ناداں دہر کے آئینہ خانے میں | یہ تصویریں ہیں تیری جنکو سمجھا ہے بُرا تو نے

---

[1] اس اقتباس میں بعض باتیں غلط فہمی پر مبنی ہیں اور بعض ایسی جن کو زبردستی حضرت علامہؒ کیطرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ (طلوع اسلام)

سبحان اللہ! تمام نسلِ انسانی کو اپنا سمجھنے اور تعصب دُور کرنے کی کیا لطیف دلیل ارشاد فرمائی ہے اقبال کو کسی مذہب پر خاش رہتی ہاں دوسرے مذاہب پر اپنے مذہب کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے جو ہر انسان کی خصوصیت ہے۔ کیا آپ مذہب رکھ کر انکے نزدیک تو مذہب کوئی اہم چیز ہی نہیں محض ایک لباس ہے جو بدل لیا جا سکتا ہے! کیا اپنے اصول اور نظریہ کو غیروں کے اُصولوں پر ترجیح نہیں دیتے؟ ہاں اقبالؒ کے پاس اس ترجیح کے لیے معقول دلائل ہیں اور وہ یہ کہ اسلام کی بنیاد محبت اور عالمگیر اخوت پر ہے۔

یہ شہادت گہہِ الفت میں قدم رکھنا ہے   لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

یہ اسلام ہی کی عالمگیر اُخوت کا نتیجہ تھا کہ آپ تعصب کی زہر کے لیے تریاق ثابت ہوئے آپکے کلام میں تہذیبِ فرنگ سے متعلق ایک بڑا حصہ ہے لیکن یہ اس لیے نہیں کہ آپکو حضرت مسیح علیہ السلام کے مذہب یا دیگر مذاہبِ مغرب سے عداوت تھی ہرگز نہیں، بلکہ اس لیے کہ آپکے نزدیک تہذیبِ فرنگ کے کُند خنجر سے انسانیت کی شاہ رگ کاٹی جا رہی ہے اور اس کے مقابلے میں اقبالؒ کا مذہب یعنی اسلام "عالمگیر اُخوت" اور "انسانیتِ کبریٰ" کا حامل ہے ؎

آدمیت زار نالید از فرنگ   زندگی ہنگامہ برچید از فرنگ

مشکلاتِ حضرتِ آدم از وست   آدمیت را غمِ پنہاں از وست

در نگاہش آدمی آب و گل است   کاروانِ زندگی بے منزل است

دانشِ افرنگیاں تیغے بدوش

در ہلاکِ نوعِ انساں سخت کوش

اسلامی عالمگیر اخوت کو یاد دلاتے ہوئے اقبالؒ مسلمانوں کو "انسانیتِ کبریٰ" کو برسرِ اقتدار لانے کی دعوت دیتے ہیں جس میں بنی نوعِ انسان کی اجتماعی طور پر بھلائی ہوتی ہے۔

فریاد از افرنگ و دلآویزیِ افرنگ   فریاد ز شیرینی و پرویزیِ افرنگ

عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیِ افرنگ   معمارِ حرم! باز بہ تعمیرِ جہاں خیز

از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز

مذہب اور وطنیت ایک اور نکتہ کیطرف اشارہ کرکے ہم اس مضمون کو ختم کرنا چاہتے ہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معترض نے اقبال کا مطالعہ اچھی طرح نہیں کیا لیکن اگر کیا ہے تو اقبال کے مسلک سے شدید اختلاف کی وجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہوسکتی کہ علامہ اور معترض کے نظریوں میں اصولی اختلاف ہیں معترض نے مذہب قومیت اور وطنیت کے متعلق اپنا نظریہ کسی وقت بدیں الفاظ پیش کیا تھا۔

> اُس کے علاوہ اپنے کو مسلم یا ہندو پہلے اور ہندوستانی بعد کو کہنا جغرافی صداقت اور نظری قانون کے بھی خلاف ہے، مذہب زیادہ سے زیادہ ایک ذہنی لباس ہے لیکن قومیت اور وطنیت تو ہمارے بدن کی جلد ہے بدن کی جلد کیسی قومیت تو ہمارا گوشت پوست اور ہمارا خمیر ہے لباس تو ہر وقت بدلا جاسکتا ہے لیکن پوست اور خمیر کو کون بدل سکتا ہے ایسا کیوں ہے؟ اس لیئے کہ قومیت و وطنیت ایک ایسی قدرتی چیز ہے جس کا تبدیل کردینا طاقتِ بشری سے باہر ہے۔

اس کے متعلق ہم جناب رازی (طلوع اسلام) کا قول نقل کرنے پر اکتفا کریں گے یعنی کل تک اہل برما ہندوستانی تھے اور آج سیاسی مدبرین کی ایک جنبش قلم سے "برمی" ہوگئے"۔ جس سے ظاہر ہے کہ وطنیت اور قومیت بدلی جاسکتی ہے۔

اس کے بالمقابل مذہب اور ملک کے متعلق جس میں قومیت اور وطنیت دونوں شامل ہیں۔ حضرت علامہ کا نظریہ یہ ہے کہ

ملک است تنِ خاکی و دیں رُوح دروان است

دونوں نظریوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے جہاں علامہؒ کا نظریہ ٹھیٹ صداقت کی بنا پر ہندوستان کے غلاموں کی زندگی میں ایک عالمگیر انقلاب پیدا کرنے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہاں جناب معترض کا نظریہ واقعات کی کسوٹی پر پرکھے جانے کی تاب نہیں لاسکتا۔